جلد ۱۹ | و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن) | عدد ۱۱

ماہنامہ میثاق لاہور

نومبر ۱۹۷۲ء

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس۔ (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

اس شمارے میں ایک اہم مضمون

"حقیقت دعا"

از قلم: مولانا عبدالغفار حسن

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ

عرض احوال

''میثاق'' کا اجراء جون ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا تھا ۔

جون ۵۹ء سے جون ۶۶ء تک مولانا امین احسن اصلاحی ہی اس کے مدیر بھی رہے اور عرف عام کے مطابق مالک بھی۔

جولائی ۶۶ء سے اس کا دور ثانی شروع ہوا جو تاحال جاری ہے ۔ اس دور میں اس کی ملکیت اور ادارت دونوں بالکلیہ راقم الحروف کو منتقل ہوگئیں ۔ البتہ اس کی پیشانی پر ''زیر سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی'' کے الفاظ رقم کئے جاتے رہے !

لیکن اس سے ایک پیچیدگی بھی پیدا ہوتی رہی ۔ اور وہ یہ کہ راقم کے ہر خیال بلکہ ہر لفظ کی جواب دہی کا بوجھ مولانا کے سر آتا رہا ۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ مولانا نے اس نازک صورت حال کو بہت خوش اسلوبی سے نباہا لیکن گاہے گاہے انہیں خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس لئے کہ الفاظ اورطرز تعبیر کا معاملہ تو ہے ہی بہت اختلافی ، کبھی کبھی مولانا کو راقم کے کسی خیال یا نظریے سے خود بھی شدید اختلاف ہوتا تھا ۔

پچھلے دو تین ماہ کے دوران ''مرکزی انجمن خدام القران لاہور'' کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں یہ صورت حال غیرمعمولی شدت سے پیدا ہوئی اور اس سے مولانا کو سخت پریشانی کا سامنا رہا ۔

اس پیچیدگی کا یہ حل تلاش کیا گیا ہے کہ آئندہ کے لئے یہ بات قارئین 'میثاق' پر واضح کردی جائے کہ مولانا' 'میثاق' کی پالیسی کے ضمن میں نہ مسئول ہیں نہ ذمہدار ۔ ان کی ذمہ داری بس تفسیر 'تدبر قرآن' کی حد تک ہے یا پھر کسی ایسی تحریر کے بارے میں جو ان کے نام سے شائع ہو ایسی بات کی مزید تصریح و تاکید کے لئے 'میثاق' کے سرورق سے متذکرہ بالا الفاظ بھی حذف کئے جا رہے ہیں ۔

اس موقع پر یہ اطلاع بھی مناسب ہے کہ جنوری ۷۳ء سے انشاءاللہ 'میثاق ، کا دور ثالث شروع ہو جائے گا ۔ یعنی اس کی ملکیت '' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کو منتقل ہو جائے گی اور راقم الحروف انجمن کے صدر مؤسس ہی کی حیثیت سے اس کا 'مدیر مسئول' ہوگا ۔

قارئین 'میثاق، کے لئے یہ اطلاع بھی یقیناً بہت خوشی اور اطمینان کی موجب ہوگی کہ اصولاً یہ طے پایا گیا ہے کہ مولانا کی تفسیر 'تدبر قرآن' اور جملہ تصانیف کا حق اشاعت بھی دائمی طور پر انجمن ہی حاصل کرلے گی اور خدمت قرآن کا یہ عظیم سلسلہ انشاءاللہ العزیز انجمن خدام القرآن ہی کے زیر انتظام شایان شان اہتمام کے ساتھ مستقلاً جاری رہے گا ۔

السعی منا والاتمام من اللہ فانہ ھوالموفق والمستعان !

اسرار احمد

دعوتِ تجدیدِ ایمان اور توثیقِ عہدِ الست کا ترجمان

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۱۹	نومبر ۱۹۷۲ء	شمارہ ۱۱

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ ● محاذِ جنگ! ------- مولانا امین احسن اصلاحی ۲

★ افاداتِ فراہیؒ ● عصمتِ انبیاء ------- مولانا حمید الدین فراہیؒ ۶

★ تربیت و تزکیہ ● حقیقتِ دعاء ------- مولانا عبدالغفار حسن ۹

★ تدبّرِ قرآن ------- مولانا امین احسن اصلاحی

● تیسرے گروپ کی سورتوں کا عمود ------- ۲۵

● تفسیر سورہ یونس (۱) ------- ۳۵

★ مقالات ------- پروفیسر یوسف سلیم چشتی

● فلاسفہ کا تصورِ خدا ------- ۴۵

● یونانی سائنسی علوم کا یورپ میں ورود ------- پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۵۷

چندہ سالانہ: دس روپے — قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ

ترسیلِ زر کا پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور: فون: ۶۹۵۲۲

عرض احوال

''میثاق'' کا اجراء جون ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا تھا۔

جون ۵۹ء سے جون ۶۶ء تک مولانا امین احسن اصلاحی ہی اس کے مدیر بھی رہے اور عرف عام کے مطابق مالک بھی۔

جولائی ۶۶ء سے اس کا دور ثانی شروع ہوا جو تاحال جاری ہے۔ اس دور میں اس کی ملکیت اور ادارت دونوں بالکلیہ راقم الحروف کو منتقل ہوگئیں۔ البتہ اس کی پیشانی پر ''زیر سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی'' کے الفاظ رقم کئے جاتے رہے!

لیکن اس سے ایک پیچیدگی بھی پیدا ہوتی رہی۔ اور وہ یہ کہ راقم کے ہر خیال بلکہ ہر لفظ کی جواب دہی کا بوجھ مولانا کے سر آتا رہا۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ مولانا نے اس نازک صورت حال کو بہت خوش اسلوبی سے نباہا لیکن گاہے گاہے انہیں خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ الفاظ اورطرز تعبیر کا معاملہ تو ہے ہی بہت اختلافی، کبھی کبھی مولانا کو راقم کے کسی خیال یا نظریے سے خود بھی شدید اختلاف ہوتا تھا۔

پچھلے دو تین ماہ کے دوران ''مرکزی انجمن خدام القران لاہور'' کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں یہ صورت حال غیرمعمولی شدت سے پیدا ہوئی اور اس سے مولانا کو سخت پریشانی کا سامنا رہا۔

اس پیچیدگی کا یہ حل تلاش کیا گیا ہے کہ آئندہ کے لئے یہ بات قارئین 'میثاق' پر واضح کردی جائے کہ مولانا' 'میثاق' کی پالیسی کے ضمن میں نہ مسئول ہیں نہ ذمہدار۔ ان کی ذمہ داری بس تفسیر 'تدبر قرآن' کی حد تک ہے یا پھر کسی ایسی تحریر کے بارے میں جو ان کے نام سے شائع ہو ایسی بات کی مزید تصریح و تاکید کے لئے 'میثاق' کے سرورق سے متذکرہ بالا الفاظ بھی حذف کئے جا رہے ہیں۔

اس موقع پر یہ اطلاع بھی مناسب ہے کہ جنوری ۷۳ء سے انشاءاللہ 'میثاق' کا دور ثالث شروع ہو جائے گا۔ یعنی اس کی ملکیت ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کو منتقل ہو جائے گی اور راقم الحروف انجمن کے صدر مؤسس ہی کی حیثیت سے اس کا 'مدیر مسئول' ہوگا۔

قارئین 'میثاق' کے لئے یہ اطلاع بھی یقیناً بہت خوشی اور اطمینان کی موجب ہوگی کہ اصولاً یہ طے پایا گیا ہے کہ مولانا کی تفسیر 'تدبر قرآن' اور جملہ تصانیف کا حق اشاعت بھی دائمی طور پر انجمن ہی حاصل کرلے گی اور خدمت قرآن کا یہ عظیم سلسلہ انشاءاللہ العزیز انجمن خدام القرآن ہی کے زیر انتظام شایان شان اہتمام کے ساتھ مستقلاً جاری رہے گا۔

السعی منا والاتمام من اللہ فانہ ھوالموفق والمستعان!

اسرار احمد

دعوتِ تجدیدِ ایمان اور توثیقِ عہدِ الست کا ترجمان

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۱۹ | نومبر ۱۹۷۲ء | شمارہ ۱۱

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ • محاذِ جنگ! ------ مولانا امین احسن اصلاحی ۲

★ افاداتِ فراہیؒ • عصمتِ انبیاء ------ مولانا حمید الدین فراہیؒ ۶

★ تربیت و تزکیہ • حقیقتِ دعاء ------ مولانا عبدالغفار حسن ۹

★ تدبرِ قرآن ------ مولانا امین احسن اصلاحی

• تیسرے گروپ کی سورتوں کا عمود ------ ۲۵

• تفسیر سورہ یونس (۱) ------ ۳۵

★ مقالات ------ پروفیسر یوسف سلیم چشتی

• فلاسفہ کا تصورِ خدا ------ ۴۵

• یونانی سائنسی علوم کا یورپ میں ورود ------ پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۵۷

چندہ سالانہ: دس روپے | ترسیلِ زر کا پتہ | قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔ فون: ۶۹۵۲۲

تذکرہ و تبصرہ

مولانا امین احسن اصلاحی

محاذِ جنگ

ہر ابنِ آدم اور ہر بنتِ حوّا کیلئے لمحۂ فکریہ

(ماخوذ از ماہنامہ سوداگر کراچی)

[جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدیر ماہنامہ "میثاق" لاہور نے دعوت الی اللہ اور دعوتِ رجوع الی القرآن کے لیے قرآن مجید، فرقانِ حمید کے مختلف مقامات، سورتوں اور آیات کا ایک نصاب مرتب کیا ہے جس کی غایت اور جسکا مفاد یہ ہے کہ یہ بات پوری طرح منقح ہو کر امتِ مسلمہ پاکستان کے سامنے رکھی جائے کہ ہمارے رب، ہمارے خالق اور ہمارے آقا و مالک کو کیسا انسان مطلوب ہے اور کونسا بندہ محبوب ہے۔ اس نصاب کی بنیاد سورۂ والعصر ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے زمانہ کو بطور شہادت پیش فرما کر یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ "پوری نوعِ انسانی گھاٹے میں ہے، نقصان میں ہے خسران میں ہے ماسوا ان لوگوں کے جو اللہ تعالےٰ کی جانب سے بطور استثنیٰ پیش کی جانے والی چار بنیادی شرائط کو پورا کرنے کی سعی و جہد میں اپنے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں کھپا دیں" یہ چار ناگزیر شرائط، یہ چار اساسی لوازم، یہ چار نشاناتِ راہ، یہ چار سنگ ہائے میل، اسی سورہ والعصر میں بیان ہوئے ہیں۔

اوّل: ایمان۔ دوم: عمل صالح۔ سوم: تواصی بالحق اور چہارم: تواصی بالصبر۔ از روئے قرآن ان چاروں بنیادی شرائط کو اخلاص کے ساتھ پورا کرنے کی سعی و جہد کے بغیر دنیا و آخرت کے نقصان و خسران سے نجات ممکن نہیں اور جو لوگ اس امتحان میں کامیابی حاصل کریں گے وہی وہ خوش نصیب و خوش بخت لوگ ہوں گے جو نہ صرف دنیا و آخرت کی ہلاکت و بربادی اور ابدی عذاب و عقوبت سے نجات پا جائیں گے بلکہ اللہ تعالےٰ کی رضا، اسکی خوشنودی، اسکی رحمت، اسکے فضل اور اس کے انعام کے سزاوار قرار پائیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مرتب کردہ نصاب ۳۰ اسباق پر مشتمل ہے۔ چنانچہ یہ پورا نصاب ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کے لیے ۱۳ اگست سے ۲۲ اگست ۷۲ء تک ایک عشرہ کی قرآنی تربیت گاہ کا لاہور میں قیام عمل میں آیا تھا جس میں شرکت کی توفیق و سعادت اس ناچیز کو بھی حاصل ہوئی تھی۔ تین درس روزانہ ہوتے

تھے۔ ان درسوں میں شریک ہونے والے حضرات کی تعداد بسا اوقات پانچ سو سے بھی تجاوز کر جاتی تھی۔ شرکا میں علماء کرام، ڈاکٹرز، پروفیسرز، انجینئرز، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس، وکلاء اور کالج و ہائی سکول کے طلبا، نیز دیگر تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت ہوتی تھی، مجھ جیسے عام لوگ بھی اس درس سے مستفیض ہوتے تھے۔ غرضیکہ اس پورے عشرہ میں کیف و عرفان کا ایک وجد آفریں ماحول طاری رہا۔

اس قرآنی تربیت گاہ کا افتتاح برصغیر پاک و ہند کے مشہور مفکر و مفسر قرآن جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے خطاب سے ہوا تھا۔ یہ خطاب تاثیر اور رموز حکمت سے معمور تھا۔ یہ خطاب ٹیپ کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس خطاب کا آخری حصہ ٹیپ سے منتقل کر کے قارئین ماہنامہ "سوداگر" کے استفادہ کے لیے پیش خدمت ہے۔ انشاء اللہ اس کا مطالعہ ہم سب کے لیے مفید ہوگا۔

۲۲ دسمبر ۷۲ء سے ۳۱ دسمبر ۷۲ء کو ایک عشرہ کے لیے قرآنی تربیت گاہ کا انشاء اللہ جمعیت الفلاح بال میں انعقاد عمل میں آئے گا۔ اس کا مفصل پروگرام آئندہ ماہ قارئین سوداگر کیلئے پیش کیا جائے گا۔

جمیل الرحمٰن بھولا والا

مولانا اصلاحی صاحب مدظلہ کے خطاب کا آخری حصہ

عزیزو! اب ایک حقیقت کی طرف آپکی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جسکو آپ ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ابن آدم اور بنت حوا اس دنیا میں محاذ جنگ پر ہے اور بڑے شاطر دشمن کے مقابلہ میں محاذ جنگ پر ہے۔ بڑے کائیاں دشمن کے مقابلہ میں جس نے خدا کو یہ چیلنج دے رکھا ہے کہ "اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس انسان کے داہنے سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے۔ اسکے آرٹ سے، ادب سے، لٹریچر سے، ثقافت سے، کلچر سے، غرض کہ ہر پہلو سے، اس کے اوپر تاخت کرونگا، اور اسے تیری صراط مستقیم سے ہٹا کر چھوڑوں گا۔ اس کو گمراہ کر کے رہونگا اور ثابت کر دوں گا کہ اسکو تیرے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے۔" اللہ تعالےٰ نے اس شان کے ساتھ جو اسی کو زیبا ہے، جواب میں فرمایا کہ "جا تجھے مہلت دی گئی جسکو تو بہکا سکتا ہے، بہکائے جو تیرے پیچھے لگ جائینگے میں ان سے اور تجھ سے، تیری ذریت سے، تیرے اولیاء سے جہنم کو بھر دونگا۔" یہ قرآن مجید کی ایک واضح حقیقت ہے۔ قرآن حکیم میں قصہ آدمؑ و ابلیس صرف حکایت سنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت بیان کرنے کیلئے ہے۔ اس کی بے شمار حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ آپ اچھی طرح یہ سمجھ لیں کہ آپ اس دنیا میں ایک بڑے شاطر اور کائیاں دشمن کے مقابلہ میں محاذ جنگ پر ہیں اور دشمن چالاک و مکار ہونیکے ساتھ طاقتور بھی ہے اس نے جس وقت انسان کو گمراہ کرنے کا چیلنج کیا تھا اور مہلت مانگی تھی تو اس کے چیلے چانٹے گنتی کے ہونگے، لیکن آج تو اسکی فوج بیشمار ہے۔ پھر اس کی فوج میں ایسے ایسے کائیاں لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ آج خود ابلیس کے کان کتر سکتے ہیں۔ ابلیس کو بھی فلسفہ پڑھا سکتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کائیاں ہیں۔ اب ابلیس کو خود کچھ کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے،

اس سے زیادہ شاطر اس کے شاگرد ہیں۔ اگر تفصیل کا موقع ہوتا تو میں ان شاگردوں کے کرتوتوں کو ایک ایک کرکے آپ کے سامنے رکھتا اور آپ کو اپنی بات پوری طرح سمجھا دیتا۔ اجمالاً یوں سمجھ لیجئے کہ یہ شاگرد آج آرٹ کے نام سے، ادب کے نام سے، لٹریچر کے نام سے، ثقافت کے نام سے، کلچر کے نام سے، فیشن کے نام سے، تہذیب کے نام سے، پیٹ کے نام سے، سیکس کے نام سے، جمہوریت کے نام سے، عوام کے نام سے، خود اسلام کے نام سے اور نہ جانے کس کس نام سے خدا کی خلق کو گمراہ کر رہے ہیں اور ابلیس کے کان کتر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ابلیس بھی شاید قیامت کے دن چیخ اٹھے گا کہ بے شک تم نے مجھے بھی مات دے دی۔ میں بھی تم سے یہ توقع نہیں رکھتا تھا۔ پس اے بھائیو! ایسے چالاک دشمن اور اس کے ایسے لاؤ لشکر کے مقابلہ میں آپ محاذِ جنگ پہ ہیں۔ جو سپاہی محاذِ جنگ پہ ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ بدبخت ہے، بدقسمت ہے، نالائق ہے اگر وہ اتنا غفیل ہو کہ اور گھوڑے بیچ کر سو جائے۔ گھوڑے بیچ کر سونے کا کیا موقعہ ہے؟ جن لوگوں کی صفت یہ تھی کہ وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھ پہ باطل سے پنجہ آزمائی کرتے تھے اور اللہ کی کبریائی کی شہادت دینے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے تھے اور پھر رات کو مصلّی پہ اپنے آقا کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔ اس سے مناجات کیا کرتے تھے۔ وہ آخر کا ہے کو جاگتے تھے؟۔ ان کو آخر کونسا غم تھا؟ بس ان کو اگر فکر تھی تو یہی کہ بڑے کائیاں دشمن سے مقابلہ ہے۔ بڑے شاطر دشمن سے سابقہ ہے جس کے ایجنٹ شیطانوں میں بھی ہیں، جنوں میں بھی ہیں اور خود انسانوں میں بھی ہیں اور جیسا کہ میں عرض کر چکا آپ کو تو بڑے خطرہ کا سامنا ہے۔ اس زمانہ میں تو ابلیس کے بڑے ہوشیار، چالاک ایجنٹوں کا پورا کا پورا لاؤ لشکر آپ کے داہنے بائیں، آگے اور پیچھے موجود ہے لہٰذا آپ کے لیے تو ازحد ضروری ہے کہ آپ کسی وقت غافل نہ ہوں۔ ہر وقت جاگتے رہیں، ہر وقت ہوشیار رہیں، چوکس اور چوکنّے رہیں۔ محاذِ جنگ پر جس طرح سپاہی سوتا ہے، اسی طرح سوئیں۔ جس طریقہ سے جاگتا ہے اسی طریقہ سے جاگیں۔ یہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس مقابلہ میں بالآخر جیتے گا کون اور ہارے گا کون؟ لیکن آدم کی ناخلف اولاد ہوگا وہ، جو اس حقیقت سے غافل ہو۔ یاد رکھیئے کہ اس کی یہ غفلت اس کو شیطان کے مقابلہ میں چاروں خانے چت کر دے گی۔

پس، میرے عزیزو! جاگتے رہو۔ آگاہ رہو۔ رات کو بھی، دن کو بھی، سوتے وقت بھی، جاگتے وقت بھی ہر وقت ہوشیار رہو۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے ہر سمت اور ہر طرف سے چوکنّے رہو۔ اگر آپ اس حقیقت کو یاد رکھیں گے تو آپ صراطِ مستقیم پہ گامزن رہیں گے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ محاذِ جنگ پہ ہر سپاہی کو ہتھیار کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور آپ کو بھی ہتھیار درکار ہے۔ یہ ہتھیار کیا ہے۔؟ [illegible] اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چیلنج کے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی، وہی ارشاد آپ کیلئے ہتھیار اور وہی چیز آپ کیلئے نسخہ علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ

" جا میں انسانوں کی رہنمائی اور مدد کیلئے اپنی ہدایت اور اپنی کتاب نبیوں اور رسولوں کے واسطے سے نازل کرونگا۔ جو لوگ میری کتاب (اور میرے انبیاء و رسل کی سنت کو) مضبوطی سے پکڑے رہیں، انکو تو ہرگز گمراہ

نہیں کر سکے گا ہاں جو میری ہدایت کو چھوڑ دیں گے تو اُن پر تیرا جادو بے شک چل جائے گا۔"

پس شکر کیجئے کہ شیطان کے مقابلہ میں آپکے پاس اللہ کی آخری کتاب کامل و تمام موجود ہے اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیئے۔ اسکو ایصالِ ثواب کا نسخہ نہ سمجھ لیجئے بلکہ اسکے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اسکے اوامر و نواہی کو معلوم کیجئے۔ اسکے احکام اور انکی حکمتوں کو جاننے کی سعی کیجئے۔ اسکی دعوت کا شعور حاصل کیجئے۔ بُرے اعمال، نافرمانی، سرکشی، طغیان و بغاوت کے ہولناک انجام سے آگاہی حاصل کیجئے اور ساتھ ہی ساتھ جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے اس پر عمل کی جدوجہد شروع کیجئے اور دوسروں تک قرآن کی دعوت کو نہایت دلسوزی کے ساتھ پہنچانے کی فکر کیجئے۔ اسکے تقاضوں کو پورا کرنے کیلیے سر دھڑ کی بازی لگا دیجئے۔ اسکا حق اسی طرح ادا ہوگا۔ اسکو مضبوطی سے تھام لینے کا یہی مطلب اور مفہوم ہے۔ اسکے برعکس طرزِ عمل اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق ہے۔ اسکی محبت کا دعوےٰ لافزنی ہے، بے وزن ہے، بے حقیقت ہے جسکا پتہ آخرکار روزِ حساب چل جائیگا۔

عزیزو! اب صرف ایک حقیقت کی اور یاد دلانا چاہتا ہوں اور وہ محض میرا تاثر نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک ایک زندہ حقیقت ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری پوری قوم کے اوپر اس وقت اُس قسم کے حالات پیش آ رہے ہیں جس قسم کے منذرات، تنبیہات اور جس قسم کے تازیانے بنی اسرائیل پر ہوئے تھے۔ آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دنیا میں دعوت الی اللہ کی وراثت بنی اسرائیل سے چھین کر آپ کو دی گئی تھی۔ سورۂ مائدہ آپنے پڑھی ہوگی، پھر پڑھ لیجئے۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ "میں بنی بنی اسرائیل سے انکی نافرمانی، کج روی اور خیانت کی وجہ سے یہ امانت چھین کر اب تمہارے حوالے کرتا ہوں لیکن اگر تم نے مجھ سے نقضِ عہد کیا، میری کتاب کو چھوڑا، میرے نبی سے منہ موڑا، میری شریعت کیساتھ بغاوت کی، میرے ساتھ مکاری اور چالاکی کی تو تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو بنی اسرائیل کیساتھ کیا گیا ہے" میرا تاریخ کا یہ مطالعہ ہے اور تاریخ سے میری مراد وہ تاریخ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے اور کسی تاریخ کا میں عالم نہیں ہوں۔ اس مطالعہ کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قوم پر اُسی طرح کے حالات پیش آ رہے ہیں، جس قسم کے حالات بنی اسرائیل کو پیش آئے تھے۔ یہ بڑا نازک وقت ہے۔ میرے عزیزو! کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو۔ اسطرح کے واقعات، حالات اور حادثات چند خاص اشخاص و افراد کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں ہوتے اور نہ ہی چند خاص اشخاص و افراد کی غلطیوں کے ایسے بھیانک نتائج نکلتے ہیں۔ بلکہ یہ صورتِ حال پوری کی پوری قوم کے شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بڑے ہی نادان ہیں، وہ لوگ جو چند اشخاص و افراد کو موردِ الزام گردان کر سارا زور انہیں ان کو مجرم ثابت کرنے پر لگا رہے ہیں۔ گویا باقی سب خیر سلا ہے۔ حالانکہ یہ منذرات، یہ تنبیہات، یہ حادثات، یہ واقعات پوری قوم کی نافرمانی، سرکشی اور کرتوت کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک ہزار سال بعد ہم نے ہندو قوم کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے وہ بھی ایک عورت کے آگے۔ تقریباً ایک لاکھ اپنے لوگ بطور قیدی پکڑوا دیئے، آدھے سے زیادہ ہمارا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ معمولی واقعات نہیں ہیں۔ بھائیوں کے ہاتھوں جس طریقے سے بھائیوں کا خون خرابہ ہوا ہے، عزتیں پامال ہوئی ہیں۔ اعوذ باللہ میں سچ کہتا ہوں کہ جو بھیانک واقعات اخبارات میں آئے ہیں اگر انکا پانچ فیصد بھی صحیح ہے تو کلیجہ شق کر دینے کو کافی ہے لیکن ذرا غور کرو کہ انکا کتنا تاثر ہماری قوم نے لیا ہے۔ اسوقت اس بچے کھچے ملک کے حصہ میں جو کچھ

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

افاداتِ فراہیؒ

ماخوذ از مجموعۂ تفاسیرِ فراہیؒ

عصمتِ انبیاء

عقل و نقل کے تمام پہلوؤں سے یہ بحث طے پا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ فرض رسالت کی ادائیگی کے لیے انہی لوگوں کو چنا ہے جو اس کی مخلوق میں اخلاق و تقویٰ کے لحاظ سے نقطۂ کمال پر رہے ہیں چنانچہ فرمایا ہے :۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ "اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا بوجھ کن پر ڈالے حضرت سرور کائنات کی نسبت فرمایا" وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ "۔ (بیشک تم ایک خلق عظیم پر ہو) اس مضمون کی توضیح صحیحین کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور بقیہ تمام مخلوق کو دوسرے پلڑے میں، جب آپؐ تمام مخلوق پر بھاری ثابت ہوئے تب آپکا انتخاب فرض رسالت کی ذمہ داریوں کے لیے عمل میں آیا۔

اس برگزیدگی کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء کی تربیت فرماتا ہے، ان کو اپنے امر و نہی سے مطلع فرماتا ہے، اور جن چیزوں سے وہ ناواقف ہوتے ہیں ان کو ان کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ہر لمحہ اس کے اشاروں پر چلتے ؛ اور اس کی نگاہوں میں رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے " فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا " بے شک تو ہماری نگاہوں میں ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے :۔

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۔	پس وہ ان کے آگے اور پیچھے پہرہ رکھتا ہے تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور ان کے سارے معاملات اس کے احاطہ میں ہیں اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

یعنی عالمِ غیب کی ایک مخصوص نگاہ انبیاء کرام کی نگرانی کرتی رہتی ہے اور ان کو لغزشوں سے بچاتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ کسی غلط راہ پر قدم رکھیں خدا کا ہاتھ ان کی رہنمائی کے لئے نمودار ہو جاتا ہے اگر کبھی وہ کسی پُرخطر راہ میں نکل جاتے ہیں تو صرف اتنی دیر تک کے لئے ان کو وہاں چھوڑا جاتا ہے جتنی

دیر میں وہ اپنے فرض نبوت اور منصب دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں کو ادا کرلیں۔ اس سے زیادہ ان کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اور یہ بھی اس لئے کہ ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے قانون آزمائش کا اقتضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے آزمائش کا قانون رکھا ہے۔ اور یہی قانون ان کے باطن کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔

پس جب کبھی اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے رسول کے قدم کسی ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں لغزش کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اس کو متنبہ کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ جوش و انہماک میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تو بعض اوقات نہایت کھلے لفظوں میں بلکہ بانداز عتاب اس کو روکا جاتا ہے۔ تاکہ جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے اس کی اصلی اہمیت اس کے سامنے واضح ہو جائے۔ پیغمبر اس وقت چونک جاتا ہے اور سامنے کے خطرہ کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ اگر خدا کے غیر مرئی ہاتھ نے رہنمائی نہ کر دی ہوتی تو وہ تو بالکل خطرہ کے قریب پہنچ چکا ہوتا۔ یہ چیز اس کے شکر و انابت کے جذبہ میں ایک جوش پیدا کرتی ہے اور وہ خضوع وخشوع کی تمام نیازمندیوں کے ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے گر پڑتا ہے اور اس سے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بچہ ماں کے ڈرا دینے کے بعد اس کے سینے سے اور زیادہ چمٹ جاتا ہے۔

الغرض پیغمبر کا رجحان ہر حالت میں بھلائی اور نیکی ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اس کا دل ہوا و ہوس کی آلودگیوں سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ اس کا ہر قدم صرف مرضیاتِ الٰہی کی راہ میں اٹھتا ہے لیکن اسی راہ میں کبھی کبھی وہ افراط کی حالت اختیار کر لیتا ہے تو جب کبھی ایسا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو حق و اعتدال کی بیچ راہ پہ لاکر کھڑا کر دیتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر اپنی قوم کے لیے نمونہ ہوا کرتا ہے۔ اس کی ہر چھوٹی بڑی بات پیروی و اقتدا کے لیے ہوتی ہے پس اس کے کسی فعل میں اگر افراط کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا گیا تو اس سے تمام امت کی راہ کج ہو سکتی ہے۔

اس افراط کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے باطن سے بے خبر ہوتا ہے۔ باطن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس بے خبری کے سبب سے پیغمبر کبھی کسی شخص کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا۔ کوئی شخص انکار و سرکشی کی کتنی ہی سخت و شدید حالت اختیار کرے لیکن وہ ایک غمگسار دوست اور ایک ہمدرد طبیب کی طرح اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظاہر نہ کر دیا جائے کہ فلاں شخص اللہ کا دشمن ہے، ایمان نہ لائے گا، وہ اس کے ایمان وہدایت سے مایوس نہیں ہوتا البتہ جب اللہ تعالیٰ خود اعلان کر دیتا ہے کہ فلاں شخص اللہ کا دشمن ہے، اب اس پہ ایمان وہدایت کی راہ

باز نہ ہو گی، اس سے علیحدگی اختیار کر لو تو وہ اس سے برأت کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس معاملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ قرآن مجید نے متعدد مقامات میں بیان کیا ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ۔

پس جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ وہ (آزر) اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے علیحدہ ہو گیا۔ بیشک ابراہیم بہت ہی دردمند اور بردبار تھا۔

کبھی کبھی اس کے برعکس حالت بھی پیش آتی ہے یعنی پیغمبر کسی جماعت کی سرکشی اور اس کے تمرد کو دیکھ کر ان کے ایمان و ہدایت کی طرف سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ جماعت ابھی اس کو نہیں پہنچی ہوتی ہے کہ اس سے مایوس ہو جایا جائے، اس کے جینے اور پنپنے کی ایک ہلکی سی آس باقی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

اس طرح کے واقعات پیش آنے کی وجہ یہی ہے کہ پیغمبر دلوں کے حال سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ ظاہر کو دیکھ کر ایک فیصلہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس طرح کے معاملات میں فیصلہ کا انحصار باطن کی حالت پر ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں صرف علام الغیوب ہی کا فیصلہ اصلی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات وہ کسی جماعت سے اعراض کا حکم دے دیتا ہے کیونکہ وہ دیکھ لیتا ہے کہ اب یہ جماعت ایمان نہیں لانے کی۔ اور بعض اوقات کسی مخصوص جماعت کے اندر دعوت کو لگاتار جاری رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ ابھی اس کے اندر صلاحیت کی گرمی ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پیغمبر کی باگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ کبھی اس کو آگے بڑھاتا ہے، کبھی روک لیتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں ایک خاص اصول حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نعمت ایسے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جو کسی طرح اس کے مستحق نہیں ہوتے، ایسے مواقع پر اس کو اعراض کا حکم دیا جاتا ہے اور اس کو اس مفرط جوش دعوت پر پُرمحبت عتاب کیا جاتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی قوم کی سرکشی و نافرمانی سے اس کو غیرت حق لاحق ہو جاتی ہے اور وہ ان سے بیزار ہو کر علیحدہ ہو کر جانا چاہتا ہے، ایسے مواقع پر اس کو بانداز عتاب حکم ہوتا ہے کہ ان کے اندر تبلیغ و دعوت کا جہاد جاری رکھے اور جب تک حکم خداوندی نہ ہو، وہ حق کو کتنی ہی بے دردی کے ساتھ ٹھکرائیں لیکن وہ ان کو نہ چھوڑے۔

غرض کبھی اس کے کمال رحمت و شفقت پر عتاب ہوتا ہے اور کبھی کمال غیرت حق پر۔ اور یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں جو نفس کی آلائشوں سے پاک ہیں:

حقیقتِ دُعا

● ——— از قلم: مولانا عبدالغفار حسن : استاذ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت و حکمت اور رمضان کے فضائل و مناقب کے بیان کے معاً بعد یہ آیہ کریمہ وارد ہوئی ہے کہ: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ... الآیہ — اس سے معلوم ہوا کہ صیام و قیام رمضان کا اصل ثمرہ تقربِ خداوندی کی خواہش اور اس کا اصل حاصل لذتِ دعا اور حلاوتِ مناجات ہے، اس مناسبت سے مولانا عبدالغفار حسن مدظلہٗ کی حسب ذیل تحریر جو دعا کے مفہوم و معنی، اس کے فضائل و آداب، اس کی قبولیت کی شرائط اور اس کے لیے خصوصی [illegible]قات و مقامات ایسے اہم مسائل پر قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سیر حاصل بحث پر مشتمل ہے ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے ——— اسرار احمد

دُعا کے معنی عربی زبان میں دعا کا لفظ نداء اور پکار کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً (پ ۲ سورہ بقرہ ۱۷۱)

ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسی چیز کو پکارے جو سوائے پکارنے اور چلّانے کے کچھ نہ سن سکے

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (پ ۱۸ سورہ نور آیت ۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے اور پکارنے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کے پکارنے اور بلانے کی طرح نہ سمجھو۔

(۲) اگر دُعا یا اس کے مشتقات کے بعد لفظ اِلیٰ استعمال ہو تو اس صورت میں اس کے معنی ابھارنے اور کسی چیز پر آمادہ کرنے کے آتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:-

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ : پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۳۳

اے میرے رب! جس چیز کی طرف وہ مجھے بلاتی اور آمادہ کرتی ہیں۔ اس کی بہ نسبت قید میں رہنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۳) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعاء کا لفظ عبادت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص۲۵۵۔ ارشاد ہے ۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا (۴-۱۱۷) وہ اس کے سوا نہیں عبادت کرتے مگر مونث مخلوق کی۔

وَضَلَّ عَنْھُمْ مَا کَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ (۴۱-۴۸)

اور ان سے غائب ہو گیا جس کی وہ پہلے عبادت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابن القیم رح لکھتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں مشرکین کی زبان سے اصنام اور معبودان باطل کیلئے دعا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے عبادت کا مفہوم مراد ہے جو ضمنی طور پر سوال اور فریاد کے معنی کو بھی شامل ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بدائع الفوائد ج ۳ ص۱۱۳ التفسیر القیم ص۲۱۴

(۴) دعاء کا لفظ سوال اور فریاد کے مفہوم میں بکثرت استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے،

ولم اکن بدعائک رب شقیا پ ۱۶ مریم آیت (۴)

اے رب میں تجھ سے فریاد کرنے میں (کبھی) ناکام نہیں رہا ہوں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ، پ۱۵ بنی اسرائیل (۱۱۰)

کہدیجئے اللہ کے لفظ سے پکارو یا رحمان کے جس نام سے بھی (چاہو) اسکو پکارو؛ (کوئی حرج نہیں ہے) سب اچھے نام اسی کے لیے ہیں۔

زیر ترتیب مضمون میں یہی مفہوم مراد ہے،

دعا انسانی فطرت کا تقاضا ہے انسان دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقی کی بنا پر خواہ اپنے رب سے کتنا ہی دور ہو جائے اور غفلت و نسیان کے کتنے ہی دبیز پردے اسکے دل پر پڑ جائیں، بہرحال مصائب کے ہجوم میں بیساختہ فریاد اور دعا کیلئے اسکے ہاتھ اٹھ ہی جاتے ہیں، قرآن حکیم نے اس فطری تقاضے کو کئی جگہ بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ پ سورہ یونس آیت (۲)

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کروٹ پر، یا بیٹھے یا کھڑے (ہر حال میں) ہم کو پکارے چلا جاتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو ایسا بے پروا بن کر چل دیتا ہے گو یا

اُس تکلیف کے (دور کرنے کے لیے جو اس کو پہنچ رہی تھی ہم کو (کبھی) اس نے پکارا ہی نہ تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۔ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۳ آیت (۲۲)

وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے (سفر کی سہولتیں مہیا کرتا ہے) یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں بیٹھتے ہو اور وہ لوگوں کو خوشگوار ہوا کی مدد سے لیکر چلتی ہیں، اور لوگ ان کی رفتار سے خوش ہوتے ہیں کہ (ناگاہ) کشتی کو تیز تند ہوا کا جھونکا آ لگتا ہے اور پانی کی لہریں ہر طرف سے چڑھ آتی ہیں اور وہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ اب تو (بری طرح) گھیرے میں آن پھنسے ہیں تو ایسے موقع پر خلوص دل سے خدا ہی کی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں (کہ اے پروردگار) اگر تو ہمکو اس سے نجات دے تو ہم ضرور ہی تیرے شکر گزار ہونگے، لیکن پھر جب وہ ان کو اس بلا سے نجات دے دیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق طور پر سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

دعاء کی فضیلت و اہمیت قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اپنے دوسرے برگزیدہ بندوں کا نمایاں وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں، فرمایا :-

یدعوننا رغبًا ورهبًا (سورہ انبیاء پ ۱۷ آیت ۹۰) وہ ہم کو رغبت اور خوف سے پکارتے ہیں۔

دعا کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے،

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پ ۲۴ سورہ المومن آیت ۶۰) (مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء هو العبادة (مسند احمد، ترمذی) دعا ہی عبادت ہے، دوسری حدیث میں ارشاد ہے، الدعاء مخ العبادة (ترمذی) (دعا، عبادت کا مغز اور گودا ہے) ایک موقع پر آپ نے فرمایا الدعاء سلاح المومن (مستدرک حاکم) (دعا مومن کا ہتھیار ہے) اور فرمایا لیس شیئ اکرم علی اللہ من الدعاء (ترمذی) (اللہ تعالیٰ کو دعا سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہے)

ایک حدیث میں ہے من لم یسئل اللہ یغضب علیہ (ترمذی) (جو اللہ تعالیٰ سے سوال و دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے)

کسی نے کیا خوب کہا ہے :

لا تسئل بنی آدم حاجۃ　　واسئل الذی ابوابہ لا تحجب

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ　　وابن آدم حین یسئل یغضب!

یعنی انسان کے سامنے اپنی ضرورت کیلئے ہاتھ نہ پھیلاؤ، اس سے مانگو جسکے فضل وکرم کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں، اگر بندہ اپنے رب سے مانگنا چھوڑ دے تو وہ ناراض ہوتا ہے لیکن انسان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، جب کوئی اس سے مانگتا ہے تو وہ غضب ناک ہو جاتا ہے۔

روح دعا دعا کے لطف سے صحیح معنی میں انسان اسی وقت آشنا ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اوپر وہی کیفیت طاری کرے جسے شاہ ولی اللہؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے : و روح الدعاء ان یری کل حول وقوۃ من اللہ ویصیر کالمیت فی ید الغسال وکالتمثال فی ید محرک التماثیل ویجد لذۃ المناجاۃ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص۸۵) یعنی دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قوت وحرکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے، اور اس کی قدرت وعظمت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اس طرح بے کس اور بے بس سمجھے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں، یا بے جان صورتیں، حرکت دینے والے کے قبضے میں (مجبور محض) ہوتی ہیں۔ اور پھر اس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کی لذت اسے حاصل ہو۔

دعا کے آداب و شرائط لیکن روحِ دعا کی یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ قبولیتِ دعا کے ان شرائط و آداب کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن وسنت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس کی مثال ظاہری جسمانی علاج کی طرح ہے، بیمار، دوا کے ذریعہ شفایاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ان شرائط و ہدایات کو ملحوظ رکھے جو معالج نے بتائی ہیں، اور ان چیزوں سے پرہیز کرے جن سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے محض دوا کا استعمال ہی کافی نہیں ہے۔ یہی حال اس روحانی علاج کا ہے۔ قرآن وحدیث کی دعائیں باطنی اور ظاہری امراض کے لیے اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں جبکہ ان کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد بھی مریض میں موجود ہو، اور پرہیز و احتیاط کے ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرے جو اس راہ میں ناگزیر ہیں۔

قبولیتِ دعا کے شرائط (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان کامل، قرآن حکیم میں ارشاد ہے :-

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا　　اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے دریافت کریں تو (انکو سمجھادو کہ) میں ان سے قریب

لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۔
پ۲ سورہ بقرہ آیت (۱۸۶)

ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے تو چاہیئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

(۲) داعی کا دل اخلاص، انابت، حضورِ قلب اور سوزِ یقین سے معمور ہو۔ قرآن میں ارشاد ہے:

فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (سورۂ اعراف ۲۹) عبادت کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے دعا کرو،

حدیث میں ہے:

ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ واعلموا ان اللہ لایستجیب دعاءً من قلب غافلٍ لاہٍ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اس سے دعا کرو، اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غافل بے پروا دل کی دعا کو شرف قبولیت نہیں بخشتا

(۳) کسبِ حلال کا اہتمام کیا جائے، حرام کمائی کے ساتھ دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتی حدیث میں ہے:

یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانّٰی یستجاب لذالک
مشکوٰۃ ص۲۴۱ بحوالہ صحیح مسلم

انسان دور دراز مقام کا سفر کرتا ہے، پراگندہ حال غبار آلود صورت میں اپنے ہاتھ آسمان کیطرف اٹھاتے ہوئے کہتا ہے۔ اے رب! اے رب! حالانکہ اسکا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے، لباس حرام ہے اور اسکے گوشت پوست کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے تو ایسی حالت میں دعا کیسے قبول ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاکرام کو کسبِ حلال کا حکم دیا ہے، فرمایا:۔

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔ پ۱۸ سورہ مؤمنون آیت ۵۲

اے رسولو! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ۔ پ۲ سورہ بقرہ آیت (۱۷۲)

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

(۴) کبائر سے پرہیز، مثلاً مکر و فریب، غیبت، چغلی، حسد، تکبّر، کینہ سے اپنے نفس کو پاک رکھے۔ اس قسم کے روحانی اور اخلاقی امراض کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ دعا بارگاہِ خداوندی میں پہنچنے کیلئے بلند مدارج طے کر سکے، جیسا کہ ارشاد ہے:۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (پ۲۲ سورہ فاطر آیت ۱۰) — اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک اعمال کے ذریعے بلند مدارج طے کرتے ہیں۔

یعنی عمل صالح کے ذریعہ پاک کلمات خدا کے ہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، جیسا کہ غار والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین شخص کہیں جاتے ہوئے باد و باراں کے طوفان میں گھر گئے، انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، اتفاق سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے دہانے پر گر پڑی اور باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا، اس موقع پر ہر ایک نے اپنی دعا میں اپنے سابق نیک عمل کو پیش کر کے اس قید سے نجات حاصل کی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، مشکوٰۃ، باب الرحمۃ والشفقۃ علی الخلق ج ۲ صـ۴۲۱۔ ظاہر ہے کہ جب نیک عملی دعا کی قبولیت کا سبب بنتی ہے تو بد عملی اس راہ کی رکاوٹ بنے گی۔

دعا کے باطنی اور ظاہری آداب قرآن مجید میں دعا کے آداب کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں نشاندہی کی گئی ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ اعراف آیت ۵۶)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے پوشیدہ پکارو، بلاشبہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا مت کرو اور اسے خوف و طمع (دونوں قسم کے ملے جلے جذبات) کیساتھ پکارو بیشک اللہ کی رحمت محسنوں سے قریب ہے۔

اس آیت میں صراحۃً اور اشارۃً دعا کے چھ آداب بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) دعا کے وقت تضرع، خشوع اور عاجزی و انکساری انسان کی ہر ہر حرکت اور ادا سے نمایاں ہو۔ اس کا دل اپنے رب کی عظمت و جلال سے پوری طرح بھرپور ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی توقع اور اس کے عذاب کے اندیشے سے ملے جلے جذبات دل میں امید و بیم کی ایک اضطرابی کیفیت پیدا کئے ہوئے ہوں۔

اسی خصوصیت کو دوسری آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۔ سورۃ انبیاء، آیت (۹۰)

بیشک وہ (انبیاء کرام) نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور ہم کو رغبت و خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (پ۲۱ سورہ سجدہ آیت ۱۶)

ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہوئے امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

قرآن مجید میں مومنین صالحین کی صفات میں خوف اور طمع دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے ، کیونکہ ان دونوں کی یکجائی ہی سے انسان میں توازن اور اعتدال پیدا ہو سکتا ہے ۔ اگر انسان کے سامنے صرف اللہ تعالٰی کی بے پایاں رحمت اور فضل و کرم ہی کا تصور ہو تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ سراپا امید بن کر گناہوں پہ دلیر نہ ہو جائے اور اگر عذاب ہی کا نقشہ پیش نظر رہے تو مایوسی اور قوت عمل کے تعطل کا قوی اندیشہ ہے ۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس حقیقت کو ایک لطیف مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے ، وہ فرماتے ہیں :-

" یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس دنیا کے سفر میں خوف بمنزلہ کوڑے اور تازیانے کے ہے ، اور امید حدی خوانی کی حیثیت رکھتی ہے ، اس سے سفر کی مشقتیں بآسانی برداشت ہو سکتی ہیں ، محبت رہنما کے درجہ میں ہے جو سواری کی نکیل تھامے ہوتے ہے ، اگر سوار کے پاس سواری کو قابو میں رکھنے کیلئے کوڑا نہ ہو تو سیدھی راہ سے ہٹ جانے اور پگڈنڈیوں میں بھٹک جانے کا قوی امکان ہے ، اس خوف کے تازیانے کے بغیر حدود الٰہیہ کی حفاظت ناممکن ، اور گمراہی یقینی ہے ، خوف ، رجا اور محبت سے جو دل بھی خالی ہو گا اس کی اصلاح کی کبھی بھی توقع نہیں کی جا سکتی ، اور جس قدر یہ صفات کمزور ہوں گی اسی لحاظ سے ایمان میں بھی ضعف نمایاں ہو گا ۔" بدائع الفوائد ج ۳ ص ۱۵

(۳) دعا میں جہاں تک ہو سکے اخفاء سے کام لیا جائے یعنی چپ چپاتے اور آہستگی سے اپنے رب کے حضور سرگوشی اور مناجات کی جائے ۔ دعا کا اصل ادب یہی ہے الا یہ کہ کسی موقع پر خود شارع ہی نے بلند آواز سے دعا کرنے کا حکم دیا ہو ۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سرّی اور جہری دعا کے درمیان ستر گنا فرق ہے ۔ بدائع الفوائد ج ۳ ص ۱

حضرت زکریا علیہ السلام کی سرّی دعا کو اللہ تعالٰی نے مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے :-

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (پارہ ۱۶ سورۂ مریم آیت ۳) جب اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر چپ چپاتے پکارا ۔

سرّی دعا کے فوائد و منافع بجائے خود نہایت اہم اور اثر انگیز ہیں ۔

(الف) دعا کا یہ طریقہ ایمان و یقین کی پختگی کو بتلاتا ہے ، کیونکہ داعی یہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کی سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے ، اس کا حال اس شخص کا سا نہیں ہوتا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ہم بلند آواز سے دعا کریں تو اللہ تعالٰی سنتا ہے ورنہ نہیں ۔

(ب) ادب و تعظیم کے لحاظ سے بھی یہی طریقہ موزوں ہے ، دنیا میں بادشاہوں اور حاکموں کے دربار میں گفتگو کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرنا گستاخی اور خلاف ادب قرار دیا جاتا ہے ۔ پھر وہ خدا جو ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن لیتا ہے اس کے حضور میں تو سرّی دعا اور زیادہ مناسب ہے ۔

(ج) یہ صورت خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کے لحاظ سے بھی زیادہ موزوں ہے۔ یہ ادا دعا کی روح اور مغز ہے، ایسے موقع پر دعا کرنے والے کا حال اس عاجز و مسکین کا سا ہوتا ہے جس کا دل ٹوٹ چکا ہے، اعضاء ڈھیلے پڑ چکے ہیں، آواز پست ہو گئی ہے، یہاں تک کہ عاجزی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ زبان کو گویائی کی تاب نہیں ہے۔ اب حال یہ ہے کہ دل آہ وزاری کے ساتھ دعا و مناجات میں مشغول ہے اور زبان انتہائی عاجزی اور مسکینی کی بنا پر خاموش ہے، یہ رقت انگیز منظر آواز بلند کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔

(د) اس شکل میں ریاکاری اور نمائش پسندی کے بجائے اخلاص کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

(ہ) پوری یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ بندہ اپنے رب سے راز و نیاز کا موقع پاتا ہے، بلند آوازی سے یکسوئی اور جمعیت خاطر پراگندہ ہو جاتی ہے جس قدر آواز پست ہو گی اسی قدر خدا سے لگاؤ اور تعلق میں اضافہ ہو گا۔

(و) پست آوازی میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے گویا وہ اس طرح سرگوشی کر رہا ہے جس طرح ایک قریبی دوست اپنے دوست سے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کی سری دعا کی مدح فرمائی ہے۔

بندہ جس قدر حضور قلب کے ساتھ خدا کو پکارے گا اسی لحاظ سے اس کو اپنے رب کا قرب حاصل ہو گا۔ اور جب یہ تصور دل میں جم جائیگا کہ وہ ہر قریب سے بھی زیادہ قریب ہے تو نہایت رازداری سے اپنی درخواست اس کی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ ایسے موقع پر بلند آوازی پسندیدہ نہ ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اگر ہمنشین ساتھی آہستہ گفتگو سن لیتا ہے تو ایسی صورت میں بلند آواز سے چیخنا چلانا عام طور پر معیوب ہی سمجھا جائے گا۔

اس امر کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے ایک سفر میں بلند آواز سے تکبیریں کہنا شروع کر دی تھیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اربعوا علیٰ انفسکم، اپنے اوپر رحم کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایسی ہستی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور تم سے انتہائی قریب ہے جتنی سواری کی گردن تم سے قریب ہے اس سے کہیں زیادہ وہ تم سے قریب ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے، وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہمارا خدا ہم سے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ زور سے اور بلند آواز سے پکاریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مندرجہ بالا سوال وجواب سے یہ واضح ہوا کہ سری دعا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

(ز) سری دعا کی شکل میں سوال وطلب کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہ سکتا ہے۔ نہ زبان تھکتی ہے اور نہ اعضاء پر بوجھ پڑتا ہے، جہر (بلند آوازی) کی صورت میں زبان اور اعضاء جلد ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

(ح) پست آوازی کی شکل میں شیطانی وساوس، موانع اور رکاوٹوں سے محفوظ رہ سکتا ہے کیونکہ اس طرح ارواح خبیثہ اور شیاطین الانس وجن اس کے طرز عمل سے بے خبر رہیں گے اور اپنے فتنے پھیلانے کے مواقع نہ پا سکیں گے، جن لوگوں کو اس بات کا تجربہ ہے وہ اس فائدے سے انکار نہیں کر سکتے۔

(ط) خدا کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی طرف کامل یکسوئی اور پوری توجہ کے مواقع حاصل کر سکے، اس نعمت سے بڑھکر دوسری نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کوئی نعمت، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، حاسدوں کی نگاہ سے نہیں بچ سکتی، پھر اس اعلیٰ نعمت پہ حاسدین کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے، ایسی صورت میں حاسد کی شر بار نگاہوں سے بچنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ اس نعمت کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اس کا چرچا نہ کیا جائے۔

اسی بنا پر یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا:

لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ — اپنے خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا ورنہ وہ
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا (رکوع سورہ یوسف) — کوئی چال چلیں گے۔

کتنے ہی ایسے صاحب دل پارسا گزرے ہیں جو اپنی اس نعمت کو ظاہر کر کے اطمینان قلب کی نعمت سے محروم ہو گئے۔ اسی لئے اس راہ کے سالک کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق، اور مناجات کے نتیجے میں جو احوال و کیفیات محسوس ہوں ان کو پوشیدہ ہی رکھا جائے، خصوصاً اس راہ کے مبتدی کیلئے تو یہ پابندی نہایت ہی ضروری ہے۔ ہاں جن لوگوں میں یہ ربانی کیفیات اور روحانی احوال پوری طرح راسخ ہو جائیں اور انکو تیز تند ہواؤں سے اس پاکیزہ درخت کی مضبوط جڑوں کے اکھڑنے کا اندیشہ نہ رہے تو پھر عوام کی اتباع اور پیروی کیلئے اس حالت کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا طلب، ثنا، محبت، انابت اور توجہ الی اللہ جیسے عظیم القدر خزانوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس لئے اخفاء کا پہلو ہی زیادہ غالب رہنا چاہیئے۔

(ی) دعا کو ذکر بھی کہتے ہیں۔ اس میں طلب و سوال کے ساتھ حمد و ثنا بھی ہوتی ہے، ربانی اوصاف و اسماء کا بیان بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ذکر کو دعا بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے افضل الدعاء الحمد للہ، یعنی بہترین دعا الحمد للہ ہے۔ الحمد للہ محض حمد ہے۔ بظاہر اس میں طلب و سوال کی کوئی آمیزش نہیں معلوم ہوتی لیکن اسکو دعا اسلئے کہا گیا کہ یہ معنوی طور پر محبت اور ثنا کو شامل ہے اور محبت، طلب محبوب کی بلند ترین انواع میں سے ہے۔ بلکہ طالب حاجت سائل کی بہ نسبت حامد اور ذاکر زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کو داعی (صاحب دعا) قرار دیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دعا اور ذکر دونوں ایک دوسرے کو شامل ہیں اور ذکر کے آداب میں واضح طور پر ارشاد ربانی ہے۔
وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً — یعنی اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (پ۹ سورۃ اعراف آیت ۲۰۵) بغیر آواز بلند کئے یاد کرو۔

(۴) دعا کا چوتھا ادب یہ ہے کہ دعا مانگنے میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ ادب قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے: اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ اس اعتداء (حد سے بڑھنے) کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) دعا میں ایسی چیزیں طلب کرنا جن کا داعی اہل نہیں ہے۔ مثلاً انبیاء کرام کے درجات و مراتب مانگنا۔

(ب) ابوداؤد کی روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو کہتے ہوئے سُنا کہ "اے خدا میں تجھ سے جنت کے دائیں جانب سفید محل کا طالب ہوں"۔ عبداللہؓ نے فرمایا اے بچے! بس اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے، جو طہارت اور دعا میں حد سے بڑھ جائیں گے۔

(ج) حرام کاموں پر نصرت کی طلب۔

(د) اللہ تعالیٰ سے ایسی آرزو کرنا جو وہ پوری نہیں کرتا، مثلاً قیامت تک کی زندگی یا بشری ضروریات کھانے پینے سے بے نیازی حاصل ہوجانا، یا یہ سوال کہ بلا شادی بیاہ کے اولاد حاصل ہوجائے، اس قسم کے تمام سوالات جو اللہ تعالیٰ کی حکمت، شریعت اور اس کے بنائے ہوئے قوانین فطرت کے خلاف ہوں اعتداء (حد سے بڑھنے) میں شمار ہوں گے۔

(ھ) ابن جریجؒ کا قول ہے کہ چلا چلا کر دعا کرنا بھی اعتداء میں داخل ہے۔

(و) سب سے بڑا اور خطرناک "اعتداء" یہ ہے کہ بندہ دعا و عبادت میں غیر خدا کو بھی شریک کرلے اور ان سے اسی طرح مدد طلب کرے جس طرح خدا سے طلب کی جاتی ہے۔

(ز) دعا میں تضرّع اور عاجزی کے بجائے بے پروائی یا شان تغافل کا اظہار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح بابِ اجابت و قبولیت نہیں کھلتا، بلکہ انسان رحمت خداوندی سے دور سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔

(ح) دعا یا عبادت میں ایسے طریقے اختیار کرنا جو شریعت سے ثابت نہیں ہیں۔

(ط) دعا میں بہ تکلف سجع (قافیہ بندی) کا اہتمام بھی اعتداء ہی کی ایک شکل ہے۔ ہاں اگر بلا تکلف موزوں کلمات زبان پر جاری ہوجائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا انظر السجع من الدعاء فاجتنبه، دعا میں قافیہ بندی سے پرہیز کرو صحابہ کرامؓ کا یہ طرز عمل نہ تھا۔ صحیح بخاری، مستدرک حاکم۔ احیاء العلوم غزالیؒ ج ۱ ص۳۱۴۔

(۵) مذکورہ بالا آیات میں ذکر و دعا کے آداب جتلاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:-

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا زمین میں صلاح اور درستگی کے بعد فساد اور بگاڑ نہ پیدا کرو۔

آیت کے سیاق و سباق سے یہ لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ مفسدین فی الارض کی دعا بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرسکتی۔ فساد فی الارض (اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور غیر اللہ کی طرف دعوت) اس راہ کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے نہ دعاء و مناجات میں لطف و سکون حاصل ہوسکتا ہے اور نہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسان ہم کنار ہوسکتا ہے۔

(۶) آداب دعاء بتلاتے ہوئے آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :-

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ — بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت صاحبِ احسان افراد سے بہت ہی قریب ہے۔

احسان کی تعریف حدیث میں اس طرح آتی ہے :-

اَن تعبد اللّٰه کانّك تراه فان لم تکن تراه فانّه یراك — اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو (یہ بھی حقیقت ہے کہ) اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

دعا کے وقت اگر احسان کی یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو رب العلمین سے سرگوشی کی حقیقی لذت حاصل نہیں ہوسکتی۔ دعا کا لطف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، خوف، محبّت اور ہیبت و جلال دل پر چھا جائے اور ایسا محسوس ہو کہ بندہ اپنے رب کے حضور آمنے سامنے ہو کر عرض معروض کر رہا ہے۔

لیکن یہ صفت احسان اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ انسان اخلاص اور اتباع شریعت دونوں کو اپنی زندگی کے ہر عمل میں جاری و ساری کرلے۔

(۷) اُن اوقات و احوال میں دعا مانگنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے جن میں دعا کے مقبول ہونے کی تصریح احادیث میں مذکور ہے (ان احوال و اوقات کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوگی انشاء اللہ)

(۸) دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ دعا کرتے کرتے تھک گیا ہوں لیکن دعا ہے کہ کسی طرح قبول ہونے ہی میں نہیں آتی، اس قسم کے گلے، شکوے کی پرچھائیں بھی دل پر نہیں پڑنی چاہیئے۔

حدیث میں ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یستجاب لاحدکم ما لم یعجل فیقول قد دعوت فلم یستجب لی — تم میں سے کسی کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے۔ دعا کرنے والا کہتا ہے میں نے دعا کی لیکن وہ قبول نہیں ہوتی۔

ایک دوسری روایت میں دعا کی قبولیت کے اثرات تین قسم کے بتلائے گئے ہیں :-

ما من مسلم یدعو بدعوة — مسلمان کی دعا قبولیت کے لحاظ سے تین حال سے خالی

لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحم الا اعطاہ اللہ بھا احدیٰ ثلث ، اما ان یعجل لہ دعوتہ واما ان یدخرھا لہ فی الاخرۃ واما ان یصرف عنہ من السوء مثلھا، قالوا اذا نکثر قال اللہ اکثر (مسند احمد)

نہیں ہے، بشرطیکہ دعا میں کوئی ایسی چیز نہ طلب کی جائے جو گناہ یا قطع رحمی کی موجب ہو، (۱) اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں بندے کو وہ کچھ عنایت فرما دیتا ہے جس کا وہ آرزومند ہے (۲) دعا کو آخرت کیلئے ذخیرہ بنا دیتا ہے (۳) مطلوبہ بھلائی کے ہم پلہ کسی برائی یا تکلیف کو اس سے دور فرما دیتا ہے، اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا تب تو ہم خوب کثرت سے دعا کریں گے، آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کونسی کمی ہے، اسکا فضل و کرم بھی بیشمار ہے۔

(۹) فراخی ہو یا تنگ دستی ہر حال میں اپنے رب سے دعا اور طلب کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔

یہ انتہائی خود غرضی کی نشانی ہے کہ مصیبت اور پریشان حالی میں تو خدا کو پکارا جائے، لیکن جب راحت و آرام اور خوشحالی حاصل ہو جائے تو خدا کو بھول کر دنیا کی آسائشوں اور تفریحات میں انسان گم ہو جائے، یہ کردار تو قرآن نے کفار و مشرکین کا بیان کیا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ پ۲۳ سورہ زمر۔ ع ۵

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو کر اسکو پکارتا ہے پھر جب خدا اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتا ہے، تو جس (غرض) کے لئے اس نے پہلے (خدا کو) پکارا تھا، اس کو بھلا دیتا ہے۔

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَاءَ فِی الرَّخَاءِ (ترمذی)

جس شخص کو یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شدائد و مصائب میں اللہ تعالیٰ اسکی دعا اور فریاد سنے تو اُسے چاہیئے کہ راحت اور فارغ البالی کے زمانہ میں بھی خدا کو خوب یاد رکھے اور اس سے دعا مانگنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

(۱۰) دعا کے وقت اپنی حاجت و ضرورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے پہلے حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا اہتمام ضروری ہے۔ دعا سے قبل دو رکعت نفل نماز کی ادائیگی بھی مسنون ہے۔ حدیث میں ہے:

من کانت لہ حاجۃ الی اللہ تعالیٰ او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ

جس کسی شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی انسان سے ضرورت و حاجت پوری کرانے کا معاملہ درپیش ہو تو اسے چاہیئے

ولیحسن وضوئه ثم یصلّ رکعتین	کہ پہلے وضو کرے دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ
ثمّ یثنِ علی اللہ عزوجلّ و	کی حمد و ثنا بجالائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
یَصَلِّ علی النبی صلی اللہ علیه و	وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجے (اس کے بعد اپنی ضرورت
سلم: ترمذی، مستدرک حاکم	خدا کے حضور عرض کرے۔)

(۱۱) دعا کرتے وقت جزم و یقین کا پہلو غالب ہونا چاہیئے یعنی بندے کو یہ اعتماد ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عرض معروض ضرور سنے گا۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایقل احدکم اذا دعا اللّٰھم اغفرلی	دعا کرتے وقت تم میں سے کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیئے اے
ان شئت اللّٰھم ارحمنی ان شئت	اللہ بخش اگر تو چاہے، رحم فرما اگر تیری مرضی ہو۔ بلکہ
لیعزم المسئلة فانّهٗ لا مکره لهٗ	سوال کا انداز عزم و یقین لئے ہوئے ہونا چاہیئے کیونکہ
بخاری، مسلم	خدا کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ان شئت کہنے میں بظاہر بندے کی طرف سے شان بے نیازی کا اظہار بھی ہوجاتا ہے۔ اس لیے اس قسم کے الفاظ سے پرہیز ہی ضروری ہے۔

(۱۲) خدا کی رحمت و نعمت کی طلب خاص اپنے ہی لیے نہ کی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک بدو کہہ رہا تھا:

اللّٰھم ارحمنی ومحمدًا ولاترحم معنا احدًا	اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور
	ہمارے علاوہ اور کسی پر رحم نہ فرما۔

(آپؐ نے یہ سن کر فرمایا) لقد تحجّرت واسعًا۔ تو نے تو خدا کی کشادہ رحمت کو تنگ کر دیا ہے (صحیح بخاری)

اسی طرح اگر کوئی شخص امام ہے اور وہ دعا کرتے وقت مقتدیوں کو نظرانداز کرکے محض اپنا ہی خیال رکھتا ہے تو یہ طرزِ عمل بھی خیانت کے ہم معنیٰ ہے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے: لا یؤم الرجل فیخصّ نفسه بالدعا دونهم فان فعل فقد خانهم (ترمذی)

(۱۳) دعا میں اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف ضروری ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ نے فرمایا تھا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، اسی طرح مسنون دعاؤں میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔ ربِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا یعنی اے رب میں نے اپنی جان پر (تیری نافرمانی کرکے) بہت ہی ظلم کیا ہے۔

(۱۴) دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا بھی مسنون ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

ان اللہ حییٌ کریم یستحیی اذا رفع الرجل	اللہ تعالیٰ فضل و کرم اور حیاء و شرم والا ہے جب

یدیه ان یردهما صفرا خائبتین — کوئی اسکی بارگاہ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے
ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ — تو اُسے خالی ہاتھ واپس لوٹانے میں شرم آتی ہے ۔

دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کا چہرے پر پھیرلینا بھی مسنون ہے ۔ (ترمذی ، ابوداؤد)

(۱۵) جب کہ انسان غصّہ کی حالت میں ہو یا بول براز کی حاجت محسوس کر رہا ہو تو ایسے اوقات میں دعا کرتے وقت دلجمعی حاصل نہیں ہو سکتی اسی لیے اس قسم کے حالات سے پاک صاف اور بالاتر ہو کر دعا میں مشغول ہونا چاہیئے ۔

(۱۶) دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے بھی منع کیا گیا ہے ۔ حدیث میں ہے :۔

لینتہین اقوام عن رفع ابصارهم الی السماء — لوگ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ۔
عند الدعاء او لتخطفن ابصارهم (صحیح مسلم) — ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی ۔

(۱۷) دعا یا کلمات کو باربار دہرایا جائے ۔ حدیث میں ہے :۔

کان رسول الله علیه وسلم اذا دعا کرّر ثلاثا — آپ جب دعا فرماتے تو تین بار دہراتے ۔

(۱۸) چھوٹی چیز ہو یا بڑی خدا ہی سے مانگے ، حدیث میں ہے آپ نے فرمایا :

لیسئل احدکم ربه حاجته کلها حتیٰ یسئل — تم میں سے ہر ایک اپنی تمام حاجتیں اپنے رب ہی سے طلب
شسع نعله اذا انقطع (ترمذی) — کرے یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے ۔

(۱۹) دعا کے خاتمہ پر آمین کہنا بھی مسنون ہے ۔ حدیث میں ہے آپ نے فرمایا : (وجب ان ختم بآمین ،
(آپ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا) اگر اس نے دعا کو آمین کیسا تھ ختم کیا تو لازماً اس نے اپنا مدعا حاصل کرلیا ۔

اوقات دعا یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ، ہر آن اپنے بندوں کی فریاد سنتا اور ان کی دعا قبول فرماتا ہے لیکن کچھ خاص اوقات ایسے ہیں جن میں دعائیں بہت جلد مقبول ہوتی ہیں اور اپنا اثر دکھاتی ہیں :

(۱) سب سے زیادہ اعلیٰ اور مقبول ترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے ، اس کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے
اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِيلًا ۔ ۲۹/پ ۔ سورہ مزمّل ۔ — بلاشبہ رات کا اٹھنا (نفس کو کچلنے اور (رب تعالیٰ سے) گفتگو اور سرگوشی کیلئے بہت ہی زیادہ موزوں ہے ۔

ایسے سناٹے کے وقت میں میٹھی نیند اور نرم وگرم بستر چھوڑ کر اپنے رب سے مناجات کے لیے اٹھنا انتہائی سعادت اور خوش نصیبی کی نشانی ہے ۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ینزل ربنا کل لیلة الی السماء الدنیا — اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا
حتیٰ یبقیٰ ثلث اللیل الآخر فیقول من — ہے یہاں تک کہ جب رات کا پچھلا تہائی حصّہ باقی رہ جاتا
یدعونی فاستجیب له ، من یسئلنی — ہے تو فرماتا ہے کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اسکی دعا قبول

فاعطیہ من یستغفرنی فاغفرلہ — کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں عطا کروں، کون مجھ سے مغفرت چاہتا ہے کہ میں اُسے معاف کردوں۔ (ترمذی)
(بخاری، مسلم)

(۲) جمعہ کی شب میں بھی ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے (۳) جمعہ کے دن میں بھی ایک ساعت ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے، (بخاری، مسلم) بعض روایات میں متعین طور پر عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تبلایا گیا ہے۔ (۴) شب قدر۔ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے (۵) اذان اور (۶) اقامت کے وقت (۷) اور اذان و اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

ثنتان لا تردان الدعاء عند النداء و عند الباس (ابوداؤد) دو چیزیں رد نہیں کی جاتیں، دعا اذان اور جہاد کے وقت۔

(۸) جہاد فی سبیل اللہ میں صف بندی کے وقت دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں عند الباس کا لفظ آیا ہے

(۹) فرض نمازوں کے بعد بھی دعا کی مقبولیت کا وقت ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ امام کے سلام پھیر لینے کے بعد مقتدی دعا کرنے میں امام کی اتباع کریں، اسی طرح سلام پھیرنے کے فوراً بعد بغیر اذکار مسنونہ پڑھے ہاتھ اٹھا کر دعا بھی سنت سے ثابت نہیں ہے۔

(۱۰) سجدے کی حالت میں دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء — یعنی سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں خوب دعا مانگا کرو۔

تلاوت قرآن یا ختم قرآن مجید کے موقع پر دعا قبول ہوتی ہے، حدیث میں ہے:

من قرء القرآن فلیسئل اللہ بہ فانہ سیجی اقوام یقرؤن القرآن یسئلون بہ الناس۔ (ترمذی) — جو قرآن پڑھے اسے قرآن کے واسطے سے اپنے رب سے مانگنا چاہیئے۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونگے جو قرآن پڑھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے۔

(۱۲) عرفہ کے دن دعا قبول ہوتی ہے، حدیث میں ہے: خیر الدعاء یوم عرفۃ (ترمذی)

(۱۳) ماہ رمضان میں خصوصاً افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے، تین قسم کے لوگ ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی، ان میں سے ایک روزے دار ہے جو افطار کے وقت اپنے رب کے حضور دعا کرتا ہے۔

(۱۴) بارش کے وقت، بارش میں کھڑے ہو کر دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔

(۱۵) ذکر الٰہی کے لیے مسلمان جمع ہوں تو یہ وقت قبولیت دعا کے لیے سازگار ہے۔ (نزل الابرار)

دعا کے مقامات | یہ مقامات زیادہ تر وہ ہیں جن کا تعلق مناسک حج سے ہے۔

(۱) بیت اللہ شریف، یعنی اسکے قریب یا اسکے اندر (۲) مسجد نبوی (۳) بیت المقدس (۴) رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان مُلتَزَم پر دعا قبول ہوتی ہے (طبرانی) (۵) صفا، مروہ پر (۶) جہاں سعی کی جاتی ہے۔ (۷) میدان عرفات میں (۸) مزدلفہ میں (۹) تینوں جمرات کے پاس (۱۰) منیٰ میں (۱۱) میزاب کے نیچے (۱۲) مقام ابراہیم کے پیچھے۔

مندرجہ ذیل افراد کی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے:

مستجاب الدعوات افراد (۱) مظلوم مضطر یعنی مظلوم اور بے قرار پریشان حال بندے کی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے، جیساکہ ارشاد ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (کیا ہے کوئی جو بیقرار کی فریاد سنے جبکہ وہ اُسے پکارے اور ہے کوئی جو اس کی تکلیف کو دور کر دے)۔
یعنی یہ خصوصیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

(۲) باپ کی دعا بیٹے کے بارے میں (۳) مسافر، حدیث میں ہے ثلاثۃ یستجاب، الوالد، المسافر، المظلوم (ترمذی)
(۴) نیک اولاد کی دعا ماں باپ کے حق میں (بزّاز) (۵) روزے دار (۶) انصاف پسند حاکم کی دعا (ابن حبان، ابن خزیمہ)
(۷) مسلمان کی دعا اپنے غیر حاضر مسلمان بھائی کے حق میں (ترمذی) (۸) گناہ سے توبہ کرنیوالے کی دعا (۹) آیت کریمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، جیساکہ حدیث میں ہے۔ لم یدع بھا رجل مسلم فی شیٔ قط الا استجیب لہ، یہ آیت کریمہ جو مسلمان پڑھے گا اسکی دعا قبول ہوگی۔
(۹) حاجی جب تک سفر میں ہوتا ہے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے (حصن حصین)
(۱۰) رات کو جاگنے والا اگر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر پڑھ کر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔ (بخاری، ترمذی)

دعا کے اثرات وثمرات دعا اگر بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت اور خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے، یہ تو بڑا ہی اعلیٰ مقام ہے۔ دعا بظاہر اگر قبول بھی نہ ہو تب بھی اپنے رب سے اس بہانے مناجات اور سرگوشی کی جو نعمت حاصل ہوجاتی ہے وہ کیا کچھ کم سعادت ہے۔

پھر اس دعا کے نتیجے میں مومن بندے کو تسکین روح اور اطمینان قلب کی جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کی برکتوں کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب : سنو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دل اطمینان وسکون سے ہمکنار ہوتے ہیں
یہ وہ دولت ہے جس کیلئے بھرپور خزانوں والے سرمایہ دار اور وسیع اختیارات رکھنے والے ارباب اقتدار بھی ترستے ہیں لیکن یہ نعمت ملتی اسی کو ہے جو ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور حب رسولؐ کی دولت سے مالا مال ہو۔

اللّٰھم اجعلنا منھم واٰخر دعوانا اَنِ الحمد للہ رب العالمین ؁

مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسرے گروپ پر ایک اجمالی نظر

سورۂ توبہ پر سورتوں کا دوسرا گروپ، جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں واضح کیا ہے، تمام ہوا۔ اب سورۂ یونس سے تیسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو سورۂ نور پر ختم ہوا ہے۔ اس میں ۱۴ سورتیں۔ یونس، ہود۔ یوسف۔ رعد، ابراہیم، حجر، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج اور مومنون مکی ہیں، آخر میں صرف سورۂ نور مدنی ہے۔ سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا اصول، جس طرح پچھلے دونوں گروپوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا، اسی طرح اس گروپ میں بھی ملحوظ ہے۔ گروپ کی پندرھویں سورۂ ——— سورۂ نور ——— بظاہر الگ نظر آتی ہے لیکن اس کی حیثیت، جیسا کہ ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے، سورہ مومنون کے تکملہ اور تتمہ کی ہے۔ سورۂ مومنون میں اہل ایمان کو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اس خاص اخلاق و کردار کے ساتھ مشروط ہے جو ایمان کا لازمی مقتضیٰ ہے۔ سورۂ نور میں اس اخلاق و کردار کو مزید واضح فرمایا گیا ہے جس سے 'خبیثون اور خبیثات' کے کافرانہ معاشرہ کے مقابل میں 'طیبون اور طیبات' کا مومنانہ معاشرہ پوری آب و تاب کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آگیا ہے اور اس معاشرہ کے لئے اللہ تعالےٰ کا جو وعدہ ہے وہ بھی اس میں نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نے عمل صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	کہ وہ ان کو زمین میں خلافت بخشے گا جس
مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	طرح اس نے ان لوگوں کو خلافت بخشی جو

دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط نور - ۵۵	ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو ان کے لیے مستحکم کرے گا جس کو ان کیلئے پسند فرمایا اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔

سورۂ حج کی بعض

اس گروپ کی سورتوں میں سے سورۂ حج کو بعض لوگوں نے مدنی قرار دیا ہے لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ گروپ کی آخری سورتیں چونکہ ہجرت کے بالکل قریب زمانے کی ہیں اس وجہ سے ان میں کہیں کہیں مدنی دور کی جھلک آگئی ہے، لیکن یہ سورتیں اپنے مزاج اور مطالب کے اعتبار سے سب مکی ہیں۔ سورۂ حج کی بعض آیتیں مدنی دور سے تعلق رکھنے والی ضرور ہیں لیکن سورہ بحیثیت مجموعی، جیسا کہ ہم اس کی تفسیر میں واضح کریں گے، مکی ہے۔ کسی مکی سورہ میں مدنی دور کی بعض آیتیں، بطور توضیح یا تکمیل آجانے سے پوری سورہ پر مدنی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسی سورتیں قرآن میں بہت ہیں جن میں مدنی دور کی آیات شامل ہیں لیکن یہ سورتیں اپنے بنیادی مطالب اور اپنے مزاج کے اعتبار سے مکی ہی قرار دی گئی ہیں۔

ان تمام سورتوں میں قدر مشترک

اس پورے گروپ کی تلاوت بار بار تدبر کے ساتھ کیجئے تو آپ نہایت واضح طور پر محسوس کریں گے کہ گروپ کی تمام سورتوں میں مشترک حقیقت، جو مختلف اسلوبوں اور پہلوؤں سے واضح فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؐ اور اہل ایمان کی کامیابی و سرخروئی اور قریش کی ذلت و ہزیمت پر منتہی ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ اس میں قریش کے لیے انذار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے لئے بشارت ہے۔ قریش پر عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے دلائل اور تاریخ و نظام کائنات کے شواہد سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اگر اس کی مخالفت میں تمہاری یہی روش قائم رہی تو بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب تم اس کا انجام بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ دنیا میں تم سے پہلے جن قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے جو حشر ان کا ہوا ہے اور جن کے عبرت انگیز آثار تمہارے اپنے ملک میں موجود ہیں وہی حشر تمہارا بھی ہونا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو صبر و استقامت اور تقویٰ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جس حق کو لے کر تم اٹھے ہو انجام کار کی کامیابی و فیروزمندی اسی کا حصہ ہے۔ آفاق و انفس اور تاریخ اقوام و ملل کے دلائل و شواہد سب تمہارے ہی حق میں ہیں۔ البتہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان مرحلوں سے لازماً تمہیں بھی گزرنا ہے۔ اگر یہ مرحلے تم نے عزیمت و استقامت کے ساتھ طے کر لیئے تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی تمہارا ہی حصہ ہے ——

یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ و یضل اللہ الظالمین۔

یہ پورے گروپ پر ایک اجمالی نظر ہوئی۔ اب ہم گروپ کی ایک ایک سورہ کو الگ الگ لے کر اس کی تفسیر کریں گے۔ گروپ کی پہلی سورہ، سورۂ یونس ہے۔ ہم اپنے طریقہ کے مطابق پہلے اس کا عمود متعین کر کے اس کے مطالب کا تجزیہ کریں گے۔ اس کے بعد ایک ایک آیت کی تفسیر کریں گے۔ و ما توفیقی الّا باللہ۔

سُورہ کا عمود اور گروپ کی دوسری سُورتوں میں اس کے مؤیدات

اس سورہ کا عمود نہایت جامع الفاظ میں اس کی دوسری ہی آیت سے واضح ہو رہا ہے۔ فرمایا ہے:-

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝	کہ لوگوں کو آگاہ کر دو اور اہلِ ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے رب کے پاس ان کے لئے بڑی پایگاہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

۲- یونس

سورۂ ہود میں اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:-

فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ ۴۹- ھود	پس ثابت قدم رہو، انجام کار کی کامیابی متقین ہی کے لئے ہے۔

سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:-

اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ۹۰- یوسف	بے شک جو تقویٰ اختیار کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

سورۂ رعد میں اس صبر و تقویٰ کی کسی قدر تفصیل بھی آ گئی ہے۔

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً وَّ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ ۝ ۲۲- رعد	اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی میں جمے رہے اور نماز کا اہتمام کیا اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کیا اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے رہے وہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت

کی کامیابی ہے۔

سورۂ ابراہیم میں اس کلمۂ توحید کی طرف بھی اشارہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں اہلِ ایمان کے ثبات قدم کا ضامن ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۲۷-ابراہیم	اللہ اہلِ ایمان کو دنیا اور آخرت میں قولِ محکم کی بدولت ثبات قدم بخشے گا۔ اور ظالموں کو نامراد کر دے گا۔

سورۂ نحل میں ہے:۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ٥ ۳۰ نحل	جن لوگوں نے خوب کاری اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی اچھا صلہ ہے اور آخرت کا گھر اس سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی اچھا ہے متقین کا گھر۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ سیدھی راہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہے اور جن لوگوں نے یہ راہ اختیار کر لی ہے دنیا اور آخرت کی فلاح کی بشارت انہی کے لئے ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ٥ ۹-۱۰ بنی اسرائیل	بے شک یہ قرآن اس رستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان مومنون کو جو نیک عمل کرتے ہیں ایک اجر عظیم کی بشارت دے رہا ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورۂ انبیاء میں ہے:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٥ ۱۰۵-انبیاء	اور ہم نے زبور میں یاد دہانی کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

گروپ کی آخری سورہ ۔ سورۂ نور ۔ میں یہ بشارت واضح سے واضح تر ہو گئی ہے ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نے عمل صالح کیا ان سے اللہ کا وعدہ ہے
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	کہ وہ ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	گا جس طرح ان لوگوں کو خلافت عطا فرمائی
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	کو مستحکم کرے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا
اَمْنًا ۔ ۵۵ ۔ نور	اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے
	بدل دے گا ۔

ان آیات کو نقل کرنے سے مقصود سورہ یونس اور اس گروپ کی دوسری سورتوں کے عام مزاج سے فی الجملہ قارئین کو آشنا کر دینا ہے ہر سورہ کا عمود اور بحث و استدلال میں اس کا صحیح رخ مطالب کے تجزیہ سے معلوم ہو گا ۔ اب ہم سورہ یونس کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تاکہ پوری سورہ بیک نظر سامنے آ جائے ۔

سورۂ یونس کے مضامین کا تجزیہ

[۱ - ۲] قریش کے حال پر اظہار افسوس کہ یہ پُر حکمت کتاب کی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص پر اتاری ہیں، حق تھا کہ وہ اس کتاب کی قدر کرتے، یہ منکرین کو ان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والی اور مومنین کو اللہ کے ہاں مرتبۂ بلند کی بشارت دینے والی ہے لیکن ان مستکبرین پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ انہی میں سے ایک آدمی ان کے پاس نذیر و بشیر بن کر آئے چنانچہ وہ اس کو جادوگر قرار دیتے ہیں ۔

[۳ - ۴] اللہ ہی سب کا رب ہے ۔ اسی نے آسمان و زمین بنائے ہیں ۔ وہی تمام آسمان و زمین کا انتظام فرما رہا ہے ۔ اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کسی کے لیے سفارش کی گنجائش نہیں ۔ سب اسی کی طرف لوٹیں گے اور وہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو عدل کے ساتھ بھرپور صلہ دے گا اور کفار کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ۔

[۵ - ۱۰] آفاق کی شہادت کہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ نہیں ہے ۔ جو غور کرنے والے ہیں وہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک روز عدل ظہور میں آنے والا ہے ۔ صرف وہی لوگ اس حقیقت سے غافل ہیں جو اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے اور اسی دنیا کی دلچسپیوں میں مگن ہیں ۔

ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ ایمان اور عمل صالح والوں کو ان کے ایمان کی بدولت نعمت کے باغوں میں داخل کرے گا جہاں وہ اپنی کامیابیوں پر شاداں ایک دوسرے کو مبارک سلامت کا پیغام دیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی تکمیل پر ان کی زبانوں پر حمد و شکر کے ترانے ہوں گے۔

[۱۱-۱۲] اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو اس دنیا میں جو ڈھیل دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رحمت کرنے میں تو جلدی کرتا ہے لیکن قہر کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اگر وہ رحمت کی طرح قہر کرنے میں بھی جلدی کرنے والا ہوتا تو ان سرکشوں کا قصہ کب کا تمام ہو چکا ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے اس وجہ سے وہ ایسے لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں اچھی طرح بھٹک لیں اور اپنے اوپر اللہ کی حجت تمام کرالیں۔ ان لوگوں کی یہ سرکشی اور ان کی یہ اکڑ ان کے مختصر سے پن کا ثبوت ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ ذرا ہم پکڑیں تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے ہمارا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے لیکن ذرا ڈھیل دے دیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کبھی ہماری پکڑ میں آیا تھا اور نہ کبھی اس نے کبھی ہمارے آگے فریاد کی تھی۔

[۱۳-۱۴] پچھلے رسولوں اور ان کی امتوں کا حوالہ کہ آخر یہ لوگ ان کے حالات سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہی کی جگہ ان کو دی اور اس لیے دی کہ دیکھے کہ یہ کیسا عمل کرتے ہیں تو آخر ان کے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا۔

[۱۵-۱۹] توحید بیزاری کے سبب سے قریش کا یہ مطالبہ کہ اگر ہم کو سنانا ہے تو اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں کوئی ایسی ترمیم کرو کہ یہ ہمارے لیے گوارا ہو سکے۔ پیغمبر کی طرف سے اس کا جواب کہ میں تمہارے سامنے اللہ کی وحی پیش کرتا ہوں، مجھے اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہوں اور اس دوران میں کوئی دعویٰ یا دعوت لے کر نہیں اٹھا۔ اب جو میں تمہارے سامنے آیا ہوں تو اپنی خواہش سے نہیں آیا ہوں بلکہ خدا کے حکم کی تعمیل میں آیا ہوں۔ اگر خدا کا حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے سامنے یہ چیزیں پیش نہ کرتا۔ ساتھ ہی ان کی توحید بیزاری پر تنبیہ کہ یہ جن چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں اور سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ خدا سے ان کے لیے سفارش کرتی ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سب ان کے ذہن کے مفروضات ہیں، خدا کے علم میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی شرکتوں سے پاک اور ارفع ہے۔ اس نے لوگوں کو اپنی طرف سے ایک ہی دین توحید دیا۔ لیکن لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا، اور اگر اللہ نے اپنے فیصلہ کا ایک دن نہ مقرر کر رکھا ہوتا تو آج ہی اس جھگڑے کا فیصلہ ہو جاتا۔

[۲۰-۲۳] کفار قریش کی طرف سے نشانی عذاب کا مطالبہ اور اس کا جواب کہ نشانی عذاب دکھانا پیغمبر کا کام

نہیں ہے۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ صرف وہی جانتا ہے کہ کوئی نشانی ظاہر ہوگی یا نہیں اور ظاہر ہوگی تو کب ہوگی۔ یہ محض انسان کی رعونت ہے کہ وہ کسی عذاب کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ تھڑدلے پن کا یہ حال ہے کہ جب ذرا خدا کی گرفت میں آجاتا ہے تو اللہ اللہ پکارنے لگتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ اس آفت سے جان چھوٹ جائے تو زندگی اپنے رب کا شکر گزار بندہ بن کر گزاروں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ بغاوت اور نافرمانی کی وہی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔

[۲۴-۲۷] اس دنیا کی زندگی کی بے ثباتی کی تمثیل کہ کفار کو اس وقت جو زور اور اقتدار حاصل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی رخنہ کہاں سے پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ آئے دن اس دنیا میں یہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بارش ہوتی ہے، زمین لہلہا اٹھتی ہے، باغ اور کھیت سب مالا مال ہو جاتے ہیں، زمینوں اور باغوں کے مالک یہ سمجھتے ہیں کہ بھلا ہمیں ان سے کون محروم کر سکتا ہے کہ دفعۃً رات میں یا دن میں کسی وقت عذاب الٰہی کا کوئی جھونکا آتا ہے اور وہ سب کو آناً فاناً بے نشان کر کے رکھ دیتا ہے۔ سلامتی کا گھر صرف اللہ کے پاس ہے اور وہ لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتا ہے لیکن اس کی راہ صرف صاحب توفیق ہی اختیار کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کے چہرے آخرت میں روشن ہوں گے۔ رہے یہ لوگ جو اسی دنیا کی زندگی میں مگن ہیں خدا سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور ان کے چہروں کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان پر شب دیجور کا کوئی ٹکڑا اڑھا دیا گیا ہے۔

[۲۸-۳۶] کفار اپنے جن معبودوں پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں آخرت میں ان کے اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ ان کے معبود ان سے اظہار بیزاری کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ تم ہماری عبادت کر رہے تھے۔ اس دن ہر شخص کو صرف اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا اور ہر ایک کی پیشی معبود حقیقی کے سامنے ہوگی۔ کفار سے یہ مطالبہ کہ جب تم خالق، رازق، مالک اور زندگی اور موت پر اختیار رکھنے والا خدا ہی کو مانتے ہو تو اسی کو رب بھی مانو، اس واضح حق کے بعد اگر تم خدا کے سوا کسی اور کو بھی رب مانتے ہو تو یہ صریح ضلالت ہوئی۔ آخر اس دنیا کی خلق و تدبیر اور تمہاری ہدایت و رہنمائی میں تمہارے ان فرضی معبودوں کا کیا حصہ ہے جس کی بنا پر تم ان کو خدا کے حقوق میں شریک بنا بیٹھے ہو؟ یہ تو محض تمہاری اٹکل پچو باتیں ہیں جو حق کے مقابل میں تمہارے کچھ کام آنے والی نہیں ہیں۔

[۳۷-۴۴] یہ قرآن کوئی من گھڑت چیز نہیں ہے۔ اس کی پیشین گوئیاں پچھلے صحیفوں میں موجود ہیں اور یہ انہی پیشین گوئیوں کا مصداق اور انہی اشارات کی تفصیل ہے۔ اس کے خدائی کتاب ہونے میں کسی

شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کفار کہتے ہیں کہ یہ تمہاری گھڑی ہوئی چیز ہے جس کو تم جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو تو ان سے کہو کہ یہ اس کی مانند کوئی ایک ہی سورہ لا کر دکھائیں اور اس کام میں اپنے معبودوں کی مدد بھی اگر حاصل کر سکیں تو وہ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کا انکار کر رہے ہیں جس کی حقیقت ان کے سامنے ابھی نہیں آئی ہے اور اس معاملے میں یہ پچھلے مکذبین کی روش کی تقلید کر رہے ہیں تو صبر کرو اور دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے ——
—— پیغمبر کو تسلی کہ جن کے اندر صلاحیت ہے وہ اس کتاب پر ایمان لا رہے ہیں، رہے وہ لوگ جو اندھے بہرے بن چکے ہیں تو نہ وہ تمہاری بات سنیں گے نہ تمہارے اوپر ان کی کوئی ذمہ داری ہے۔ تم ان سے اپنی براءت کا اعلان کر دو۔ یہ خود اپنے اعمال کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں۔ خدا نے ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے۔

[۴۵-۵۸] جس عذاب اور روز آخرت کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے اس کے لیے یہ جلدی مچائے ہوئے ہیں حالانکہ جب وہ آئے گا تو یہ محسوس کریں گے کہ زندگی کی مہلت ایک ساعت سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ عذاب کب آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری موجودگی ہی میں ان کو دکھا دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری وفات کے بعد یہ اس کا مزا چکھیں۔ لیکن یہ اٹل حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کے پاس اس کا رسول آ جاتا ہے تو اس قوم کا فیصلہ لازماً ہو جایا کرتا ہے۔ اگر یہ تم سے اس دھمکی کے ظہور کا وقت پوچھتے ہیں تو تم کہہ دو کہ میرے پاس نہ غیب کا علم ہے اور نہ میں کسی نفع و ضرر پر اختیار رکھتا ہوں۔ بس یہ حقیقت جانتا ہوں کہ ہر امت کے لیے ایک پیمانہ مقرر ہے، جب وہ پیمانہ بھر جائے گا تو پھر اس کو ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ یہ اگر اتنی جلدی مچائے ہوئے ہیں تو ان سے پوچھو کہ خدا کے عذاب کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اس وقت تو ان کا ایمان لانا بھی بالکل بے سود ہو گا۔ اس وقت تو حال یہ ہو گا کہ ہر جان اس سے چھوٹنے کے لئے ساری دنیا بھی اس کے ہاتھ آ جائے تو اس کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہو جائے گی تو آخر یہ اپنی شامت بلانے کے درپے کیوں ہیں؟ اللہ کی اس عظیم نعمت و رحمت کو اختیار کیوں نہیں کرتے جو ان پر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی ہے اور جس کے آگے اس دنیا کے تمام زخارف بالکل ہیچ ہیں! —

[۵۹-۷۰] جن لوگوں نے بے دلیل خدا کے شریک اور سفارشی بنا رکھے ہیں کیا ان کو خدا سے ناانصافی کا اندیشہ ہے؟ خدا تو اپنے بندوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ البتہ لوگ ناشکری کرتے اور اس کی دی

ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی نسبت سے حلال و حرام ٹھہراتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی کہ خدا ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہے۔ جو اللہ کے اولیاء ہیں ان کے لئے کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی ان کے لیے بشارت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بشارت ہے اور خدا کے وعدے اٹل ہیں۔ عزت صرف اللہ کے لیے ہے۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہیں وہ صرف گمان کی پوجا کر رہے ہیں۔ شب و روز سب اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ سب سے مستغنی ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ جو لوگ اپنے جی سے خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور وہ آخرت میں عذاب شدید سے دوچار ہوں گے۔

[۷۱ - ۹۳] اوپر کے بیان کردہ حقائق کی تائید میں تاریخ کی شہادت۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت کا اجمالی حوالہ۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو یہ تلقین کہ جس طرح کے حالات تم سے پہلے انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو پیش آ چکے ہیں اسی طرح کے حالات تمہاری قوم کی طرف سے تم کو پیش آ رہے ہیں۔ پس اگر تم نے صبر اور توکل کی وہی روش اختیار کی جو تمہارے پیش رو انبیاءؑ اور ان کے صحابہؓ نے اختیار کی اور اس پر جمے رہے تو تمہیں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں جہان میں سرخرو کرے گا اور تمہارے مخالفوں کا وہی حشر ہوگا جو نوحؑ اور موسیٰؑ کے مخالفوں کا ہو چکا ہے۔

[۹۴ - ۱۰۳] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مسلمانوں کو یہ تلقین کہ مخالفوں کا غوغا تمہیں اس کتاب کے باب میں کسی شک میں نہ ڈالے جو تم پر اللہ نے اتاری ہے۔ یہ بالکل حق ہے اور جو اچھے اہل کتاب ہیں وہ بھی اس کے حق ہونے کے گواہ ہیں۔ جو لوگ اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ اپنے اعمال کے سبب سے خدا کے قانون کی زد میں آ چکے ہیں، ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھا دی جائیں وہ اس وقت تک ایمان لانے والے نہیں ہیں جب تک جھٹلا کن عذاب نہ دیکھ لیں۔ کوئی قوم جب قانون الٰہی کی زد میں آ جاتی ہے تو اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا کرتا۔ صرف قوم یونس ایک ایسی قوم ہے جو عذاب الٰہی کی زد میں آتے آتے بچ گئی۔ عذاب بس آنے ہی کو تھا کہ وہ ایمان لائی اور اللہ نے اس کو بچا لیا۔ اہل ایمان کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل اور سمجھ سے کام لے کر ایمان کی راہ اختیار کریں نہ کہ عذاب کی نشانیوں سے مجبور ہو کر۔ اگر اللہ کو مجبورانہ ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لیے کیا مشکل تھا، وہ سب کو ایمان کی ڈگر پہ ہانک دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایمان کی توفیق صرف ان لوگوں کو حاصل

ہوتی ہے جو عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے دلوں پر نجاست کے انبار جمع کر لیتے ہیں ان کے لیے ایمان کی راہ نہیں کھلتی۔ ایسے لوگوں کو بڑی سے بڑی نشانی بھی کچھ نفع نہیں پہنچاتی۔ یہ لوگ تو بس اس طرح کے فیصلہ کن دن کے انتظار میں ہیں جس طرح کے فیصلہ کن دن پچھلی قوموں کو پیش آ چکے ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر تم اسی کے انتظار میں ہو تو انتظار کرو میں بھی اب تمہارے لیے اسی کے انتظار میں ہوں۔

[۱۰۴-۱۰۹] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مخالفین کے سامنے ایک فیصلہ کن اعلان کہ اگر کسی کو میرے دین کے باب میں شک ہو تو وہ اچھی طرح کان کھول کر سن لے کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا، میں صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی توحید پر آپ کو جمے رہنے کی تاکید، اس لیے کہ نفع و ضرر صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے، دوسرا نہ کچھ بنا سکتا، نہ بگاڑ سکتا ——— پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آ چکا ہے اور وہ میں نے لوگوں کو پہنچا دیا ہے۔ اب جو ہدایت اختیار کرے گا تو اس کا نفع اس کو پہنچے گا اور جو گمراہی کی راہ اختیار کرے گا تو اس کا انجام خود بھگتے گا، میں کسی کے ایمان کا ذمہ دار نہیں ہوں ——— آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ وحی الٰہی کی پیروی کرو، اسی پر جمے رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ٥

مبادئ
تدبر قرآن

از : مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑا سائز یعنی ۲۲×۱۸/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل، مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ

قیمت -/۶ روپے (محصول ڈاک علاوہ)

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ۔ لاہور

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر

۱۰- سورۂ یونس

(۱)

مکّی ——— آیات ۱۰۹

آیات ۱-۱۰

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ
اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ
قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

یہ الف، لام، را ہے۔ یہ پر حکمت کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کو اس بات پر حیرانی ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر وحی کی کہ لوگوں کو ہوشیار کر دو اور اہل ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا بے شک یہ ایک کھلا ہوا جادوگر ہے۔ ۱-۲

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا، پھر وہ معاملات کا انتظام سنبھالے عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے تو اسی کی بندگی کرو، کیا تم سوچتے نہیں! اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک وہی خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کو عدل کے ساتھ بدلہ دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہے۔ وہی ہے جس نے سورج کو تاباں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ بے شک رات اور دن کی آمد و شد اور آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈریں۔ جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر قانع اور مطمئن ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، انہی لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کے اعمال کی پاداش میں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اللہ ان کے ایمان کی بدولت ان کو ان کی منزل پر پہنچائے گا، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، نعمت کے باغوں میں۔ اس میں ان کا ترانہ ہوگا اے اللہ تو پاک ہے، اور اس میں ان کی تحیت سلام ہوگی اور ان کا آخری کلمہ الحمد للہ رب العالمین (شکر ہے اللہ رب العالمین کے لئے) ہوگا۔ ۳-۱۰

(۱) الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

الٓرٰ تلک اٰیٰت الکتاب الحکیم ٥ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل
منھم ان انذر الناس وبشر الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند
ربھم قال الکافرون ان ھذا لساحر مبین ، ۱-۲

کتابِ حکیم کا مفہوم

الٓرٰ ۔ اس سورہ کا قرآنی نام الٓرٰ ہے اور 'تلک' کا اشارہ اسی کی طرف ہے ۔ یہ حروف مقطعات ہیں جن پر ایک جامع بحث ہم بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں ۔ کتاب کی صفت 'حکیم' اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ کتاب اپنے ہر دعوے پر دلیل و حجت سے اس طرح آراستہ ہے کہ اپنی صداقت کی کسوٹی خود اپنے ہی اندر رکھتی ہے ، کسی خارجی شہادت کی محتاج نہیں ہے ۔ جو لوگ اس کی صداقت کے ثبوت کے لیے کسی شہادت کے طلب گار ہیں وہ خارج کے بجائے خود اس کے اندر اتریں ، اگر ان کی عقلِ سلیم اور فطرت مستقیم ہو گی تو اس کی حکمت خود ان کے ہر شبہ کو صاف کر دے گی ۔

اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان

'اکان للناس عجبا ... الآیۃ' 'الناس' سے مراد ، قرینہ دلیل ہے کہ یہاں قریش ہیں ۔ یعنی جب یہ کتاب بجائے خود حجت و برہان ہے تو مجرد یہ بات اس کے انکار کی کیا دلیل ہوئی کہ اس کی وحی انہی میں سے ایک شخص پر آئی ؟ اپنے اندر کے کسی شخص پر اس وحی کا آنا کوئی انکار و استعجاب کی چیز نہیں بلکہ یہ سوچیں تو یہ اللہ کا ان پر ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے ان پر انہی کے اندر کے ایک ایسے شخص کے ذریعے سے یہ کتاب اتاری جس کے ماضی و حاضر اور جس کے کردار و اخلاق سے وہ اچھی طرح آگاہ بھی ہیں اور جس کے امین و راستباز ہونے کے وہ معترف بھی رہے ہیں ؟ کیا یہ بات بہتر ہوتی کہ کوئی غیر ان پر اس حق کی گواہی دیتا یا یہ بہتر ہے کہ اللہ نے انہی کے ایک بہترین فرد کو اس حق کا گواہ بنایا اور اس طرح گویا انہی کی زبان اور انہی کے ضمیر نے ان پر حق کی حجت تمام کی ۔ یہ بات بھی کسی پہلو سے معقول نہ ہوتی کہ اس کام کے لیے کوئی فرشتہ یا جن منتخب کیا جاتا ۔ انسانوں کے لئے معلم و مرشد اور نمونہ و مثال انسان ہو سکتا ہے نہ کہ فرشتے اور جن ۔

کتاب اور حاملِ کتاب کا اصل پیغام

'ان انذر الناس وبشر الذین اٰمنوا' یہ اس کتاب یا حاملِ کتاب کا اصل پیغام نقل ہوا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پیغام بھی کوئی استعجاب یا انکار کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے ۔ یہ دنیا کی زندگی یوں ہی ختم ہو جانے والی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں سب کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور اس دن وہ لوگ خدا کے ہاں عزت و سرفرازی کا مقام پائیں گے جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور جو لوگ اس کو جھٹلائیں گے وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑیں گے ۔ اس حقیقت کے اظہار سے ، گو قریش کے

مستکبرین کے دل کو چوٹ لگتی ہے تو لگے اور وہ حیران ہوتے ہیں تو حیران ہوں لیکن جو حقیقت ہے وہ اس وجہ سے غلط نہیں ہو جائے گی کہ اس سے کسی گروہ کے پندار پر ضرب پڑتی ہے۔

'قدم صدق' کا مفہوم

'قدم صدق' میں 'صدق' کا لفظ جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، رسوخ، استحکام اور تمکّن پہ دلیل ہے، اس وجہ سے 'قدم صدق' کا مفہوم عزّت کا مقام، مرتبۂ بلند، اونچی پایگاہ اور لازوال سرفرازی ہوگا۔ اس آیت میں ایمان لانے والوں کے لیے جو بشارت ہے وہ تو واضح الفاظ میں مذکور ہے لیکن انذار کا پہلو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس گروپ کی تمام سورتوں میں نمایاں پہلو اہل ایمان کے لیے بشارت ہی کا ہے۔ کفار کے انجام کا پہلو ان میں اصلاً نہیں بلکہ ضمناً اور تبعاً بیان ہوا ہے۔

کفار کے استعجاب و انکار کی تعبیر

'قال الکافرون ان ھذا لساحر مبین' یہ کفار کے استعجاب و انکار کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس پر حکمت کتاب کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں، اس کے لانے والے کو یہ کھلا ہوا جادوگر قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس کتاب کے زور، اس کے اثر اور اس کی فصاحت و بلاغت کا لوہا تو مانتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کو محض الفاظ اور سجع و قافیہ کی صناعی اور پیغمبر کی فصاحت و بلاغت کی شعبدہ بازی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اپنے عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس کتاب کے لانے والے کے کلام میں جو تاثیر اور کشش محسوس کرتے ہو یہ نہ سمجھو کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آئی ہے اور اس میں حکمت کا خزانہ ہے بلکہ جس طرح ایک شعبدہ باز اپنی شعبدہ بازی سے ایک شئے کو کچھ سے کچھ بنا کر دکھاتا ہے اسی طرح یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) الفاظ کی شعبدہ گری کا ماہر ہے اور اپنی بات اس طرح پیش کرتا ہے کہ سادہ لوگ اس کے کلام سے مسحور ہو جاتے ہیں۔

انبیاء کو ساحر و کاہن کہنے کا ایک خاص پہلو

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو کفار جو ساحر قرار دیتے رہے ہیں تو صرف ان کے معجزات ہی کی اہمیت گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ یہی حربہ وہ ان کے کلام کو بے وقعت ٹھہرانے کے لیے بھی استعمال کرتے۔ جب دیکھتے کہ ان کے اندر کے سلیم الفطرت لوگ نبی کے پیش کیے ہوئے کلام سے متاثر ہو رہے ہیں تو یہ شغلہ چھوڑتے کہ یہ تو محض الفاظ کی شعبدہ بازی اور زبان کی جادوگری ہے، اپنے آپ کو اس فریب سے بچاؤ۔ خود قرآن کو سحر کہنے میں بھی یہی مقصد ان کے پیش نظر ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو کفار کاہن بھی کہتے تھے۔ اس سے بھی ان کا مقصد یہی ہوتا کہ اپنے عوام کی توجہ قرآن اور پیغمبر سے ہٹائیں کہ یہ کلام کوئی مافوق چیز اور اس کا پیش کرنے والا کوئی مافوق ہستی نہیں ہے۔ جس طرح ہمارے کاہن سجع اور قافیہ کے ساتھ مرصّع اسلوب میں اپنا کلام پیش کرتے ہیں اور جس طرح کاہنوں کے کلام میں مستقبل سے متعلق کچھ پیشین گوئیوں کی جھلک ہوتی ہے اسی طرح کی جھلک اس کے کلام میں بھی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری جانی پہچانی ہوئی

...یزیں ہیں۔ ان کو آسمانی اور خدائی مرتبہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یدبر الامر ط ما من شفیع الا من بعد اذنہ ط ذٰلکم اللہ ربکم فاعبدوہ ط افلا تذکرون ۝ الیہ مرجعکم جمیعا ط وعد اللہ حقا ط انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ لیجزی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات بالقسط ط والذین کفروا لھم شراب من حمیم و عذاب الیم بما کانوا یکفرون ۝ ۳-۴

مذکورہ بالا انذار و بشارت کی دلیل

اوپر والے ٹکڑے میں جو انذار و بشارت ہے یہ اسی کی دلیل بیان ہو رہی ہے اور مقدمات کی ترتیب ...س طرح ہے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور جس کا خالق ہونا تمہیں خود بھی تسلیم ہے، رہی ...یارا رب اور آقا و مولیٰ بھی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خالق تو کوئی اور ہو، آقا اور مولیٰ کوئی اور بن جائے؟ ...ر تم نے کچھ اور رب بنا کر ان سے کچھ امیدیں باندھ رکھی ہیں تو یہ محض تمہاری حماقت ہے جو عقل و فطرت اور ...د تمہارے اپنے مسلمہ کے خلاف ہے۔ پھر یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے طور پر ظہور میں نہیں آگئی ہے بلکہ ...خدائی دنوں کے حساب سے چھ دنوں یا بالفاظ دیگر چھ ادوار میں درجہ بدرجہ ارتقاء پذیر ہوئی ہے۔ یہ تدریج ...ترتیب اور یہ ارتقا خود شاہد ہے کہ نہ اس کا ظہور کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ ...ہے بلکہ یہ نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہوا ایک باغایت و بامقصد کارخانہ ہے اور اس کی اس مقصدیت کا ...زمی تقاضا یہ ہے کہ انسان جو اس کائنات میں خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے یوں ہی شتر بے مہار نہ چھوڑ دیا ...ائے بلکہ اس کے سامنے ایک ایسا دن آئے جس میں وہ لوگ اپنے جرائم کی سزا بھگتیں جنہوں نے اس دنیا ...و کھیل تماشہ سمجھا اور ساری زندگی بطالت میں گزاری۔

خدا عرش حکومت پر متمکن ہے

ثم استوٰی علی العرش یدبر الامر، یعنی یہ نہ سمجھو کہ خدا دنیا کو پیدا کر کے کسی گوشے ...میں ایک خاموش علۃ العلل بن کر بیٹھ رہا ہے اور اس دنیا کا سارا انتظام و انصرام اس نے دوسروں کے ...حوالے کر دیا ہے۔ بلکہ وہ خود عرش حکومت پر متمکن اور صرف متمکن ہی نہیں بلکہ بالفعل تمام معاملات کا انتظام ...چلا رہا ہے۔ زبور میں یہی حقیقت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:۔

تو نے تخت پر بیٹھ کر صداقت سے انصاف کیا۔ ۹:۴

خدا کے ہاں کوئی سفارش اس کے اذن کے بغیر نہیں ہوگی

ما من شفیع الا من بعد اذنہ، یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ خدا کے اس انصاف ...سے کسی کی سعی و سفارش کے ذریعے سے وہ اپنے کو بچا لے جائے گا۔ خدا کے ہاں کوئی بھی نہ اس کے اذن کے ...بغیر سفارش کے لیے زبان کھول سکے گا اور نہ کوئی سفارش باطل کو حق یا حق کو باطل بنا سکے گی۔ اللہ کا

علم ہر چیز کو محیط ہے۔

'ذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون' یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، جو عرش حکومت پر متمکن ہو کر عدل و انصاف کے ساتھ فرمانروائی کر رہا ہے، جس کے ہاں کوئی بڑا سے بڑا سفارشی بھی، اس کے اذن کے بغیر، کسی کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے گا، وہی اللہ تمہارا رب ہے تو اپنے اسی رب کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تم نے اور رب کہاں سے گھڑ لئے، تم اپنے مانے ہوئے مقدمات و مسلمات کو کس طرح نظر انداز کر جاتے ہو!!

سب کی پیشی خدا ہی کے آگے

'الیہ مرجعکم جمیعا وعد اللہ حقا' اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور مولے و مرجع نہیں ہے۔ یہ اللہ کا شدنی وعدہ ہے۔ 'جمیعًا' کی تاکید اس امر کے اظہار کے لئے کہ تمہاری اور جن کو تم نے اپنے گمان کے مطابق خدا کا شریک و شفیع بنا رکھا ہے سب کی پیشی خدا ہی کے آگے ہونی ہے۔ اس سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔

آغاز و اعادہ خدا کے اختیار میں ہے

'انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ' یہ اس وعدے کے حق ہونے کی دلیل ہے کہ جو خدا خلق کا آغاز فرماتا ہے وہی دوبارہ اس کا اعادہ فرمائے گا۔ جس نے پہلی مرتبہ اس کا آغاز کیا، آخر دوبارہ اس کا اعادہ کرنے میں اس کو کیوں دشواری پیش آئے گی؟ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جن کا نہ اس کائنات کے آغاز میں کوئی حصہ نہ اس کے اعادہ میں کوئی دخل آخر ان کو کس بنیاد پر تم نے مولے و مرجع بنا رکھا ہے؟

قیامت کا اصل مقصد

'لیجزی الذین امنوا وعملوا الصالحات بالقسط' یہی اصل مقصد قیامت کے آنے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا اصل مقصود درحقیقت اہل ایمان کو جزا دینا ہے، اہل کفر کو سزا اس کے لوازم اور توابع میں سے ہے۔ یہی وہ بشارت ہے جس کا آغاز میں ذکر ہوا ہے۔ اس کی دلیل بیان کرنے کے بعد پھر اس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔

کفار کے لئے اولین سامان ضیافت

والذین کفروا لھم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون' کفار کو جو عذاب ہوگا یہ اس کا بیان ہے۔ 'شراب من حمیم' کا ذکر، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اشارہ کر چکے ہیں، اولین سامان ضیافت کی حیثیت سے ہے یعنی ان کی اول تواضع تو ان کے اترتے ہی کھولتے پانی سے ہوگی، پھر ان کے لیے دردناک عذاب کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

'ھو الذی جعل الشمس ضیآء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ط ما خلق اللہ ذالک الا بالحق یفصل الایات

لقوم یعلمون ○ ان فی اختلاف الیل والنہار وما خلق اللّٰہ فی
السمٰوٰت والارض لاٰیٰت لقوم یتقون ○ ان الذین لا یرجون لقاءنا
ورضوا بالحیوٰۃ الدنیا واطمانوا بہا والذین ہم عن اٰیاتنا غٰفلون ○
اولٰئک ماوٰہم النار بما کانوا یکسبون ○ ان الذین اٰمنوا و
عملوا الصٰلحٰت یہدیہم ربہم بایمانہم تجری من تحتہم
الانہار فی جنّٰت النعیم ○ دعوٰہم فیہا سبحانک اللّٰہم وتحیتہم
فیہا سلام واٰخر دعوٰہم ان الحمد للّٰہ رب العالمین ○ ۵ - ۱۰

جزا و سزا کے قطعی ہونے کی دلیل

توحید کے بعد اب یہ جزا اور سزا کے قطعی ہونے کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ اس کارخانۂ کائنات پر جو شخص بھی غور کرے گا اس کو یہ حقیقت نہایت نمایاں طور پر نظر آئے گی کہ یہ کسی کباڑیئے کا مال گودام نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں اس کے خالق کی عظیم قدرت اور اس کی بے پایاں رحمت و ربوبیت نمایاں ہے۔ اس کے اندر نہایت اعلیٰ اہتمام ہے، بے نظیر ترتیب و انتظام ہے۔ بے مثال اقلیدس و ریاضی ہے۔ سورج معین نظام و قوت کے ساتھ نکلتا اور اپنی تابانیوں سے سارے جہان کو روشن کرتا ہے۔ اس کے فیض سے گرمی، سردی، خزاں اور بہار کے مختلف موسم پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک ہماری دنیا کی زندگی اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ چاند اس سے کسب[1] نور کرکے اپنی معین منزلیں طے کرتا اور ہماری تاریک راتوں میں مختلف زاویوں سے ہمارے لئے شمع برداری بھی کرتا ہے اور ہمارے مہینوں اور سالوں کی تقویم بھی بناتا ہے ــــ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دنیا خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی یا یوں ہی ختم ہو جائے گی؟ اگر یہ مان لیا جائے تو یہ ساری قدرت و حکمت بے مقصد و بے غایت ہو جاتی ہے جو اس کائنات کے ہر گوشہ میں جلوہ گر ہے۔ پھر تو یہ دنیا بالکل باطل اور ایک کھیل تماشہ بن کے رہ جاتی ہے اور یہ ایک ایسی خلاف عقل، ایسی خلاف عدل اور ایسی خلاف فطرت بات ہے

---

[1] آیت میں سورج کے لیے ضیا (چمک اور تابانی) اور چاند کے لئے نور (خنک روشنی) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس فرق کی یہ توجیہہ کی ہے کہ سورج کی روشنی اپنی ذاتی ہے اور چاند کی روشنی سورج سے حاصل کی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بات بجائے خود صحیح ہے لیکن میرے نزدیک 'ضیا' میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور 'نور' خنک روشنی کو کہتے ہیں اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ سورج کی روشنی میں تپش ہوتی ہے اور چاند کی روشنی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

کہ کوئی سلیم العقل اور مستقیم الفطرت انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو باور نہیں کر سکتا۔ کچھ اینٹیں ایک جگہ بکھری ہوئی پڑی ہوں تو ان کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ یوں ہی پڑی ہوئی ہیں لیکن کیا یہی گمان تاج محل، لال قلعہ اور لاہور و دلی کی جامع مسجدوں کے متعلق بھی کر سکتے ہیں ؟

انسانی فطرت کا اعتراف

'ما خلق اللہ ذالک الا بالحق' یہ صحیح انسانی فطرت کا اعتراف بیان ہوا ہے کہ جو عاقل بھی اس نظام کائنات پر غور کرتا ہے وہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کارخانہ باطل اور بے مقصد نہیں بلکہ ایک عظیم غایت کے ساتھ وجود میں آیا ہے اور یہ غایت مقتضی ہے کہ یہ ایک ایسے انجام پر منتہی ہو جو حق اور باطل کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے۔

'نفصل الایات لقوم یعلمون' فرمایا کہ اس جزاء و سزا کی دلیلیں اور نشانیاں اس نظام کائنات کے اندر چھپی ہوئی ہیں جو دیکھنے والی آنکھوں سے مخفی نہیں ہو سکتیں لیکن اگر کسی کے لیے یہ مخفی تھیں تو اب ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننا اور سمجھنا چاہیں ان کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ بعینہٖ یہی مضمون آل عمران کی آیت ۱۹۱ 'و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا، سبحانک فقنا عذاب النار' میں بیان ہوا ہے۔ مزید تفصیل کے طالب اس آیت کی تفسیر پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

گردش لیل و نہار کا درس

'ان فی اختلاف اللیل والنھار .... الآیہ' اختلاف لیل و نہار سے اس تعاقب کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے جو وہ ایک دوسرے کا پوری سرگرمی سے کر رہے ہیں جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ یہ گردش بے غایت و بے مقصد نہیں ہے بلکہ ایک عظیم نتیجہ پر منتہی ہونے والی ہے، دوسرے اس عظیم نظام ربوبیت کی طرف بھی اس میں اشارہ ہے جو رات اور دن کے اختلاف مزاج کے اندر مضمر ہے کہ دن انسان کے لیے معاش و معیشت کی سرگرمیوں کا میدان گرم کرتا ہے اور رات اس کے لیے راحت و سکون کا بستر بچھاتی ہے۔ اس نظام پر جو شخص بھی غور کرتا ہے وہ لازماً اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اضداد کے اندر ایک مشترک مقصد کے لئے یہ حیرت انگیز توافق اسی شکل میں وجود میں آ سکتا ہے جب یہ مانا جائے کہ یہ سارا کارخانہ صرف ایک قادر و قیوم کے ارادے کے تحت کام کر رہا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس نے ربوبیت و پرورش کا یہ سارا نظام کھڑا کیا ہے اور اس کو اس اہتمام سے چلا رہا ہے وہ انسان کو مطلق العنان اور غیر مسئول نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کے بعد ایک ایسا دن لازماً آنا ہے جس میں وہ ربوبیت کا حق پہچاننے والوں کو ان کی حق شناسی کا انعام دے گا۔ یہی نتیجہ اس کائنات کے تمام اجزا اور اس کے تمام اضداد پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور یہی حاصل ہے جو انسان کی رہنمائی آخرت اور اس جزا و سزا کی طرف کرتا ہے جس سے انسان کے اندر وہ حقیقی تقویٰ پیدا ہوتا ہے جس کی طرف آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں 'سبحانک فقنا عذاب النار' کے الفاظ سے اشارہ ہوا ہے۔

(ان لوگوں کا انجام جو لقائے الٰہی کے امیدوار نہیں)

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ ...... بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ : یہ ان لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے جو اس کائنات کی ان تمام نشانیوں کے باوجود اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہیں۔ نہ انہیں خدا کی ملاقات کا اندیشہ ہے، نہ آخرت کا ڈر ہے۔ فرمایا کہ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ لفظ 'رجا' یہاں توقع اور اندیشہ کے معنی میں ہے اور یہی اس کا اصل لغوی مفہوم ہے۔

(اہل ایمان کا انجام)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ...... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ : 'ہدایت' یہاں منزل مقصود کی ہدایت کے مفہوم میں ہے جو تمام کائنات کی تخلیق کی غایت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی بدولت جنت میں ان کے حسب مراتب منازل و مقامات کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ 'دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ' یعنی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ حق، حق ہو کے رہا اور باطل، باطل۔ تو بے تحاشا ان کی زبان سے 'سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ' کے الفاظ نکلیں گے کہ دنیا میں آیات الٰہی کے مشاہدے سے ہمارا جو یہ گمان تھا کہ یہ کارخانۂ کائنات عبث کا کھیل نہیں ہو سکتا، اس عظیم خالق کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی کارِ عبث کرے، تو ہمارا یہ گمان سچا ثابت ہوا۔ 'تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ' یعنی ایک کامیاب اور فتحمند ٹیم کی طرح ان کے آپس میں مبارک سلامت کے تبادلے ہوں گے اور دوسری طرف کفار کے اندر جوتیوں میں دال بٹ رہی ہو گی اور ہر ایک دوسرے پر لعنت کر رہا ہو گا۔ 'وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ' یہ تکمیل نعمت پر اظہار شکر ہے کہ اہل جنت جب دیکھیں گے کہ ہر طرف نعمت ہی نعمت ہے تو بے تحاشا ان کی زبان سے یہ شکر کا کلمہ نکلے گا۔

انبیاء کرام کے طریق انقلاب پر مولانا امین احسن اصلاحی کی
ایک مختصر لیکن نہایت جامع تحریر

اقامتِ دین کے لیے انبیاءِ کرام کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ، غیر مجلد: قیمت ۵۰ پیسے

شائع کردہ: دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ - لاہور ۲

علومِ قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی

تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اوّل مشتمل بر مقدمہ و تفاسیر: آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورہ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹/۸، صفحات ۸۰۰ ۔ عمدہ دبیز سفید کاغذ ۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کیساتھ ۔ ہدیہ ۳۶/- روپے

جلد دوم

مشتمل بر تفاسیر: سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ انعام و سورۂ اعراف

سائز، کاغذ، طباعت اور جلد حسب سابق

صفحات ۸۰۸ ۔ ہدیہ ۳۲/- روپے

جلد سوم

مشتمل بر تفاسیر: سورۂ یونس تا سورۂ بنی اسرائیل ۔ سائز، کاغذ، طباعت

اور جلد حسب سابق: صفحات ۸۰۸ ۔ (زیر طبع)

(محصولڈاک فی جلد: ۳/- روپے)

(شائع کردہ)

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور فون ۶۹۵۰۲

مقالات

فلاسفہ کا تصورِ خدا

از قلم
پروفیسر یوسف سلیم چشتی :

[حکیم برکات احمدؒ صاحب ٹونکی (م ۱۹۲۸ء) جانشین مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی (م ۱۸۹۹ء) نے اپنے دادا استاذ مولانا فضل حق خیرآبادی کے رسالے 'روض المجود' کی شرح بزبان فارسی لکھی تھی۔ جس کی ایک نقل ۱۹۵۱ء میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ایک قلمی نسخے سے حاصل کی۔

پروفیسر صاحب کی اپنی پوری عمر مشرق و مغرب کے فلسفے اور حکمت کے مطالعے میں گزری ہے اور انہیں 'فلسفۂ وجود' سے بطور خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود بدقت تمام 'روض المجود' کا ترجمہ کیا ہے اور اب اس پر نہ صرف یہ کہ خود بھی مفید حواشی لکھ رہے ہیں بلکہ حالیہ سفر کراچی کے دوران اس پر ایک مبسوط مقدمہ بھی استاذ مکرم مولانا منتخب الحق صاحب صدر شعبۂ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی سے حاصل کر لیا ہے۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک یہ نادرۂ علمی لوگوں کے سامنے آسکے۔

'روض المجود' کی متذکرہ بالا فارسی شرح کے دیباچے میں حکیم برکات احمدؒ ٹونکی کے قلم سے ایک جملہ نکل گیا کہ "میں اپنی جوانی کے زمانے میں حکماء کی پیش کردہ توحید میں سرشار رہا!" بس اس پر جو تحریک ہوئی تو پروفیسر صاحب نے اس پر ایک نوٹ لکھنا شروع کر دیا جو بجائے خود ایک علمی مقالہ بن گیا۔

ذیل میں یہی نوٹ قارئینِ 'میثاق' کی ضیافت طبع کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

مدیر

حکماء اور فلاسفۂ عالم نے افلاطون اور ارسطو سے لے کر الیگزینڈر اور وہائیٹ ہیڈ تک ذاتِ باری

کے جو تصورات پیش کئے ہیں وہ ناقص اور مورد اعتراضات عقلیہ ہی نہیں ہیں بلکہ باہمد گر مختلف بھی ہیں۔ ہر فلسفی نے اپنے پیش روؤں یا ہمعصروں کی تغلیط کی ہے اور اپنا نظریہ بڑے وثوق اور جزم کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور اس اختلاف کثیر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فلسفۂ الٰہیات کا طالب علم حیران اور ششدر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس مختصر حاشیے میں اس حقیقت کی وضاحت ناممکن ہے، اگر ایسا کروں تو یہ حاشیہ ایک مستقل کتاب بن جائے گا۔ مختصراً عرض کرتا ہوں کہ پورے ۶۵ سال تک الٰہیات کا مطالعہ کرنے کے بعد علی وجہ البصیرت، اکبر الہ آبادی مرحوم کا ہمنوا ہو کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

اکثر فلاسفہ کے پیش کردہ تصورات کا مطالعہ کرنے کے بعد دل یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے ناقص، عاجز اور محدود اور مضطر خدا کو تسلیم کرنے سے تو اس کا انکار کرنا زیادہ قرین عقل ہے۔

لیکن میرے قیاس کی رو سے حضرت مصنف مرحوم کی مراد جن حکماء سے ہے وہ ارسطو اور اس کے شارحین یا مقلدین ہیں، کیونکہ درس نظامیہ میں بالعموم ارسطو اور اس کے شارحین ہی کا فلسفہ داخل نصاب ہے۔

ڈیکارٹ، مالی برانش، اسپنوزا، لائبنز، لاک، برکلے، کانٹ، فختے، اور ہیگل، شیلنگ اور ان کے متبعین کا فلسفہ متداول نہیں ہے۔ اور اہل علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے یورپین خدا پرست حکما کانٹ اور ہیگل انہی دونوں کے شاگرد یا خوشہ چیں ہیں جس طرح ازمنۂ وسطیٰ تک تمام حکماء افلاطون اور ارسطو کے متبع تھے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یورپ کا فلسفۂ الٰہیات بقول وائٹ ہیڈ، فلسفۂ افلاطون کی شرح ہے۔

اس لیے میں اس حاشیے میں صرف ارسطو کی الٰہیات کا خلاصہ درج کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین پر مصنف مرحوم کے اس قول کی صداقت واضح ہو جائے کہ حکماء کے فلسفے میں ظلمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے:۔

تمہید ارسطو کی تمام تصانیف میں اس کی "مابعد الطبیعات" کو گل سرسبد کا مرتبہ حاصل ہے۔ اگر اس کتاب کی خصوصیات بیان کرنے لگوں تو یہ حاشیہ بجائے خود ایک کتاب بن جائے گا۔ اس لیے صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس کتاب میں چودہ ۱۴ ابواب ہیں اور بارہویں باب میں ارسطو نے الٰہیات سے بحث کی ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں، اور آخری پانچ فصلوں میں ذات واجب

اور اس کے تضمنات پر اپنے افکار پیش کئے ہیں :-

اس باب میں ارسطو کی فلسفیانہ فکر اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دو ہزار سال سے حکمائے عالم اس باب کی شروع لکھ رہے ہیں ۔ مسلمان اور عیسائی متکلمین نے یہی اس کی مابعد الطبیعات اور خصوصاً باب دوازدہم پر اپنی توجہ مبذول کی ہے جن میں علامہ ابن رشد کا نام سرِ فہرست ہے ۔ علامہ موصوف کی شرح مابعد الطبیعات سے عیسائیوں کے سب سے بڑے متکلم طاس اکوئناس نے معتد بہ فیض حاصل کیا ۔ اس نے اپنی مشہور تالیف " الٰہیات " میں علّامہ موصوف کا نام لیے بغیر ان کی طویل عبارتیں نقل کی ہیں ۔ ملا باقر داماد ، ملا صدرا ، اور ملا ہادی سبزواری ، سب نے ابن رشد ہی کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کی ہے ۔

فلسفے کے بنیادی اور مشہور ترین مذاہب تین ہیں ۔ باقی تمام مذاہب انہی کی ترقی یافتہ یا ترمیم شدہ صورتیں ہیں :-

(۱) مادّیت ۔ (MATERIALISM) اس کا نمائندہ اور ناظم دیمقراطیس ہے ، اس فلسفے کی رو سے مادّہ ، اصلِ کائنات و حیات ہے ۔ روح اسی کی اعلیٰ صورت ہے ۔ بذاتِ خود اس کی کوئی اصلیت یا حقیقت نہیں ہے ۔

(۲) تصوریت ۔ (IDEALISM) اس کا نمائندہ اور مدوّن افلاطون ہے ۔ اس فلسفے کی رو سے ، روح مجرد (تصوّر) اصل حیات و کائنات ہے ۔ مادّہ اسی کی ادنیٰ صورت ہے ۔ بذاتِ خود اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ تصورات (مُثُلِ افلاطون) اصل حقائق ممکنات ہیں اور ممکنات انہی IDIAS کے عکوس و اظلال ہیں ۔

۳ خارجیت (REALISM) اس کا نمائندہ اور مرتب ارسطو ہے ۔ اس فلسفے کی رو سے روح اور مادّہ دونوں حقیقی ہیں ، موجود فی الخارج ہیں اور اصل حیات و کائنات ہیں ۔

یہ تینوں فلسفے تین ہزار سال سے آپس میں برسرِ پیکار ہیں اور ہر دور میں ان فلسفوں نے نئے نام کل اور نئے لباسوں کے ساتھ جلوہ دکھایا ہے اور ظاہر پرستوں کو اپنا دیوانہ بنایا ہے ۔

یہ تینوں فلسفے آریائی ذہانت و فطانت کی پیداوار ہیں ۔ اربابِ علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ جب آریوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا تو اس قافلے کا ایک حصہ ایران ہوتا ہوا یونان میں سکونت پذیر ہوا ۔ اور دوسرا حصہ درۂ خیبر کو عبور کر کے شمالی ہندوستان میں وارد ہوا ۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی اور یونانی فلسفے میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے اور کوئی شخص اس صداقت کا انکار نہیں

کرسکتا کہ منطق، فلسفہ اور الٰہیات میں ساری دنیا ان آریوں ہی کی شاگرد ہے۔

آمدم برسرِ مطلب،

مذکورہ بالا تصریحات سے علمی دنیا میں ارسطو کے مقام کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کا کوئی فلسفہ نہ تو ناظورۂ حقیقت کو بے نقاب کر سکا ہے اور نہ بنیادی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکا ہے۔ اسی لیے لسان الغیب حافظ شیرازی نے ہمیں متنبہ فرما دیا ہے:۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

ترجمانِ حقیقت اکبر الٰہ آبادی نے اسی نکتۂ عالیہ کو یوں بیان کیا ہے:۔

انکشافِ رازِ ہستی عقل کی حد میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

حافظ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی حکمت (عقل) کی مدد سے "رازِ دہر" کو دریافت نہیں کر سکتا اور اکبر کہتے ہیں کہ "رازِ ہستی" کا انکشاف عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، کیونکہ رازِ دہر اور رازِ ہستی دراصل ایک ہی معمّر کی دو تعبیریں ہیں۔ ایک نے اسے دہر سے تعبیر کیا دوسرے نے ہستی سے۔ خوب غور کرکے دیکھو، نہ کائنات سمجھ میں آتی ہے نہ ہستی کا کچھ سراغ ملتا ہے:

باز آغاز و زانجام جہاں بے خبریم
اوّل و آخر ایں کہنہ کتاب افتادست

پورے ۵۸ سال تک فلسفیانہ مسائل میں غور و فکر کیا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ آج بھی وہیں ہوں جہاں ۱۹۱۴ء میں تھا۔ دنیا جہان کا فلسفہ پڑھ لینے کے بعد بھی نہ کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوں نہ کسی مسئلے کو حل کر سکتا ہوں، اور اپنی حقیقت نہ اس وقت معلوم تھی نہ آج معلوم ہے۔ جبر و کسر اور جبر و اختیار کی گتھی نہ اس وقت سلجھا سکتا تھا نہ آج سلجھا سکتا ہوں۔ مجھی پر کیا موقوف ہے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے علمبردارِ تصوریت مطلقہ رادھا کرشنن نے بھی فارسائی فہم کا اعتراف کیا ہے۔

اسی لیے مجبور ہو کر اقبال کی اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے:۔

بچشمِ عشق نگر تا سراغ او یابی
جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است

اس تمہید کے بعد اب ارسطو کے تصورِ ذاتِ باری کا خلاصہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں

تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انسانی عقل کس قدر عاجز اور درماندہ ہے۔
اسی لیے تو اقبال نے یہ کہا ہے:-

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

اثباتِ واجب ارسطو نے ذاتِ واجب پر جو دلیل مرتب کی ہے اسے ہم جدید اصطلاح میں دلیلِ آفاقی کہتے ہیں۔ یہ دلیل مابعد الطبیعات کے باب دوازدہم سے ماخذ ہے اس نے ذاتِ واجب پر حرکت سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ اشیاء کائنات کی اصل جواہر ہیں۔ چونکہ تمام جواہر معرضِ فنا میں ہیں اس لیے تمام اشیا فانی ہیں۔

۲۔ لیکن دو چیزیں غیر فانی ہیں (کیونکہ وہ غیر ممکن التولید ہیں) اور یہ دو چیزیں تغیر اور زمان ہیں۔ زمان اس لیے غیر فانی ہے کہ اس سے قطع نظر کرکے قبلیت اور بعدیت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ تغیر زمانہ کے ساتھ مسلسل ہے۔

۳۔ مسلسل تغیر در اصل صرف تغیرِ مکانی ہے اور مسلسل تغیر مکانی صرف محرکِ مستدیرہ سے ہے۔ اس لیے ایک ازلی مستدیرہ کا وجود عقلاً ضروری ہے۔

۴۔ ازلی حرکت کے صدور کے لئے

(ا) ایک ازلی (ذاتِ واجب) کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔

(ب) اس میں ایک ایسی اصل کا ہونا ضروری ہے جو حرکت کی علت بن سکے۔

(ج) اس ازلی جوہر میں صرف یہ قدرت کافی نہیں ہے بلکہ اسے اس قدرت کو فعل میں بھی لانا چاہیئے۔

(د) اس جوہر ازلی کا ذاتی تقاضا قدرت نہیں بلکہ فعلیت ہونا چاہیئے کیونکہ اگر فعلیت اس کی ذات کا اقتضا نہ ہو تو یہ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ اس قدرت پر عامل نہ ہو اور اس صورت میں حرکت ازلی نہ ہوگی۔

۵۔ کوئی ذات ایسی ہے جو افلاک کو حرکت دے رہی ہے لیکن جو (ذات) محرک ہے مگر خود بھی متحرک ہے وہ کسی دوسرے محرک کی محتاج ہے۔ اور اگر وہ محرک بھی متحرک ہے تو اس کے لیے دوسرے محرک کی ضرورت ہے اور چونکہ ذوات متحرکہ کا لامتناہی سلسلہ عقلاً محال ہے اس لیے ایک ایسی ذات کا وجود ضروری ہے جو محرک تو ہو مگر خود متحرک نہ ہو۔

۶ - لہٰذا ایک محرک غیر متحرک کا وجود عقلاً ثابت ہو گیا - یہی خدا ہے -

۷ - اس محرک غیر متحرک کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر طبعی طریقے سے دوسرے کو حرکت دے - اگر یہ سوال ہو کہ جو ذات خود، غیر قابل حرکت ہے اور اس میں حرکت نہیں ہے وہ دوسرے کو کیسے متحرک کر سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا اسی طرح کائنات کو حرکت دیتا ہے جس طرح کوئی جمیل یا محبوب شئی، دوسرے کو متحرک کر دیتی ہے مثلاً مصور یا مظہر کا شاہکار ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہے حالانکہ وہ خود ساکن رہتا ہے - اسی طرح وہ نصب العین جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، خود متحرک ہوئے بغیر ہمیں متحرک کر دیتا ہے - پس اسی طرح "ازلی تصور" یہ ارسطو کی اصطلاح میں (واجب الذاتہ کا اصطلاحی نام ہے) خود متحرک ہوئے بغیر مادے کو متحرک کرتا رہتا ہے -

۸ - محرک اوّل (واجب لذاتہ یا خدا) فلک اول کو بلا واسطہ متحرک کرتا ہے - فلک اول میں محبت کا مادہ موجود ہے اس لیے اس میں نفس ناطقہ (SOUL) بھی لازمی موجود ہے - یعنی فلک اول ایک ذی حیات ہستی ہے -

۹ - فلک اول کے علاوہ جس قدر افلاک اور سیارے ہیں انہیں عقول حرکت دیتی ہیں - یہ عقول، جو بقول ارسطو پچپن یا ستاون ہیں - سب کی سب قدیم بالزمان ہیں - اگرچہ حادث بالذات ہیں -

۱۰ - محرک اول واجب الذاتہ، محض صورۃ (FORM) ہے - ہیولیٰ (مادے) سے پاک ہے محض فعلیت ہے - غیر مادی ہے - اس میں نہ خواہش ہے نہ ارادہ ہے نہ احساس ہے بلکہ وہ محض ادراک ہے - اس میں کوئی طبیعی فعلیت نہیں ہے محض عقلی فعلیت ہے - وہ محض خیر ہے اور ازلی ہے وہ الحیّ ہے مگر مشخص نہیں ہے - چونکہ کوئی شئے خدا سے اعلیٰ نہیں ہے اور اس کی فکر صرف اعلیٰ کا تصور کر سکتی ہے اس لیے وہ صرف اپنا تصور کر سکتا ہے یعنی کائنات کا تصور اس کے لیے محال ہے - خدا خود ہی اپنی فکر کا معروض ہے - چونکہ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی شئے کا تصور نہیں کر سکتا اس لیے کائنات کے حوادث اور واقعات سے بے تعلق ہے - انسان تو خدا سے محبت کر سکتا ہے مگر خدا کسی انسان سے محبت نہیں کر سکتا - کیونکہ اسے کسی شئے کی حاجت نہیں ہے وہ فکر خالص ہے، کافی بالذات ہے - نہ اس میں محبت ہے نہ نفرت، نہ ارادہ نہ کوئی آرزو، نہ اخلاقی صفات نہ کسی سے کوئی علاقہ - وہ اپنی فکر میں فکر کرتا رہتا ہے - اسی لیے وہ کائنات کے معاملات میں دخل نہیں دیتا - وہ ہر شئے کا مقصود ہے مگر وہ ہر شئے سے بے تعلق ہے - پس وہ اپنی ذات ہی میں فکر کرتا رہتا ہے - خود ارسطو کے الفاظ یہ ہیں - "اس کی فکر اپنی فکر میں فکر کرنا ہے دگر ہیچ" (مابعد باب ۱۲ - فصل ۹)

خلاصۂ کلام اینکہ ارسطو کا خدا ازلی ہے غیر متحرک ہے - غیر متغیر ہے - واجب ہے، کائنات سے

جدا ہے، غیر مادی ہے، کل ہے، خیر محض ہے، اعلیٰ ہے، علۃ العلل ہے، ہر تغیر کی علت ہے، سراسر فعلیت سب سے بے نیاز ہے[1]

چونکہ وہ خیر محض ہے اس لیے اسے شر کا کوئی علم نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو نہیں سکتا۔ علم کے علاوہ خدا میں کوئی فعلیت نہیں ہے اور علم بھی صرف اپنے علم کا علم ہے نہ کہ غیر (کائنات) کا۔ علۃ تامہ ہونے کی حیثیت سے خدا سے معلول (عقل فعّال) کا صدور ہوا۔ اسی صدور میں خدا مجبور ہے۔ وہ چاہے بھی تو اس صدور کو نہیں روک سکتا۔ یہی عقل فعال، صانع عالم ہے۔ (کتاب النفس)

۱۱۔ ارسطو اس کائنات کو ازلی (قدیم) مانتا ہے نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ مادہ اور روح (نفس ناطقہ) بھی ازلی ہیں (اسی لیے عالم قدیم ہے)۔

۱۲۔ مابعد الطبیعات میں ارسطو نے یہ کہا ہے کہ خدا اس کائنات سے جدا ہے اور بے تعلق ہے یعنی ورا الکائنات ہے مگر کتاب النفس (DE ANIMA) میں وہ خدا کو داخل کائنات قرار دیتا ہے۔ خدا ہر فرد میں جاری و ساری ہے۔

نوٹ: ارسطو بھی افلاطون کی طرح اکثر مقامات میں مبہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شارحین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ الیگزینڈر کچھ کہتا ہے، ابن رشد کچھ فرماتے ہیں۔ طامس اکوئناس کچھ کہتا ہے، ڈاکٹر راس کچھ کہتا ہے۔ ۱۲

ارسطو کے تصورِ باری (واجب لذاتہ) پر تنقید

میں اس مختصر حاشیے میں ارسطو کے تصورِ واجب لذاتہ پر مفصل تنقید نہیں کر سکتا، صرف چند اشارات پر اکتفا کروں گا:۔

۱۔ ارسطو کا یہ قول (نظریہ) کہ خدا صرف اپنی ذات میں فکر کرتا رہتا ہے، میرے نزدیک ہی نہیں، اکثر نقادانِ فلسفہ ارسطو کی رائے میں بڑا مضحکہ خیز ہے۔ اگر علامہ ابن رشد آج زندہ ہوتے تو میں بڑے مؤدبانہ انداز میں اُن سے پوچھتا کہ حضرت! کسی مفکر کے محض اپنی فکر میں فکر کرتے رہنے میں اور ایک فعلِ عبث میں کیا فرق ہے؟ اگر کوئی شخص ایسا فعل کرے جس کا کبھی کوئی ثمرہ یا نتیجہ مرتب نہ ہو تو ہم اسے حماقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ارسطو کے خدا کا یہ فعل "تفکر فی التفکر" حماقت

---

(۱) دیکھو مابعد الطبیعات باب دوازدہم فصل ہفتم)

کیوں نہیں ہے ؟

کیا خدا کی شان ہے! مرشدِ رومیؒ اگر یہ فرمائیں کہ
آئینہ دل چوں شود صافی و پاک
نقش ہا بینی بروں از باد و خاک

تو پیروانِ ارسطو (معتزلہ) اسے خلل دماغ سے تعبیر کریں۔ اور اگر ارسطو، واجب لذاتہ کو اس حماقتِ عظمیٰ کا مرتکب ٹھہرائے تو یہ حضرات اسے "معلمِ اول" کا خطاب عطا کریں۔

(۱) ۔ کیا یہ بات قرینِ عقل ہے کہ خدا خود ہی علم کا موضوع بھی ہو اور خود ہی معروض بھی ہو ؟

(۲) کیا اس بات سے خدا کی کوئی عظمت ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی فکر (قوّت مدرکہ یا متفکرہ) میں فکر کرتا رہتا ہے ؟

(۳) مانا کہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے مگر اس علم میں غور و فکر کرنے سے ہم کو یا کائنات کو کیا حاصل ہوا ؟

(۴) خدا کے اس بات میں فکر کرتے رہنے سے کہ میں فکر کر رہا ہوں نتیجہ کیا مرتب ہوا؟ یہ تو ایسا ہی ہے کوئی شخص پانی کو بلونا شروع کر دے !

(۵) بلاشبہ ہم ایسے خدا کو جس کی فکر معروض صرف اس کی فکر ہو، اس آئینے سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو کسی دوسرے آئینے کے مقابل رکھا ہوا ہو۔ اگر دو آئینے بالمقابل رکھ دیئے جائیں تو کیا کوئی ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے ؟ کیا ان دونوں آئینوں کا وجود بیکار نہیں ہو گا ؟

(۶) جب خدا اس کائنات سے بے تعلق ہے بلکہ اسے نہ حوادث کا علم ہے نہ جزئیات کا، نہ شر کا (اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں یعنی اس عالم میں شر کا عنصر، خیر پر غالب ہے۔ جتنی دیر میں ایک نیکی رونما ہوتی ہے اتنی دیر میں کم سے کم نو یا دس برائیاں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، جسے شک ہو صرف ایک دن، اپنے شہر کے حالات و واقعات و حوادث کا استقصاء کر کے دیکھ لے) تو سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے ایسے خدا کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہوئے یا نہیں ؟ جب وہ ہم سے بے تعلق ہے تو ہم اس سے بے تعلق ہو جائیں گے۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی آئی ہے۔

یہ اتنا زبردست اعتراض ہے کہ ارسطو کے تمام شارحین سخت مضطرب نظر آتے ہیں مگر بے دست و پا ہیں۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج ،

الگزینڈر (اولین شارح ارسطو) نے اپنے آقا (استاد) کو اس اعتراض سے بچانے کے لیے انتہائی کوشش کی ہے مگر کامیابی نہیں ہوسکی کیونکہ ارسطو نے مشیت ایزدی کی مطلق نفی کردی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد نے بھی اگرچہ یہ تسلیم کیا ہے کہ خدا اس کائنات کا خالق نہیں ہے اور نہ وہ فعال "مایرید" ہے (کیونکہ اُس سے عقل فعال کا صدور اس کی مرضی سے نہیں ہوا ہے لہٰذا وہ فاعل مختار ہستی نہیں ہے) تاہم عالم کلیات ہے تاکہ مشیت ایزدی کے لیے کسی حد تک گنجائش پیدا ہو سکے۔ لیکن علامہ موصوف اور ان کی اتباع میں طامس ایکوئناس نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب "ایجاد بندہ" کا مصداق ہے یعنی انہوں نے اپنی طرف سے اپنے استاد کی حمایت کی ہے۔ خود ارسطو تصانیف سے ان شارحین کی تائید نہیں ہوسکتی۔

نوٹ: خدا کے فضل سے ارسطو کی تمام تصانیف میرے پاس موجود ہیں اور مابعد الطبیعات کا اصلی یونانی متن بھی میرے پاس ہے جس پر ڈاکٹر راس (Ross) نے مقدمے کے علاوہ حواشی بھی لکھے ہیں اور انگریزی میں دو ترجمے بھی میرے پاس ہیں۔ یہ وہی کتاب ہے جسے ابن سینا نے چالیس مرتبہ پڑھا تھا ۱۲۔

۷۔ اگرچہ علامہ ابن رشد، طامس ایکوئناس اور ڈنس اسکوٹس نے ارسطو کو مشخص خدا کا قائل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ایسا خدا جو انا کہہ سکے، انسانوں سے خطاب کرسکے، پکار کا جواب دے سکے، محبت کرسکے وغیرہ مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ارسطو کے یہاں خدا نہ خالق کائنات ہے اور نہ منتظم کائنات ہے وہ تو کائنات سے بالکل بے تعلق ہے۔ صرف اپنی فکر میں فکر کرتا رہتا ہے۔ یہی فکر فی الفکر اس کا وظیفۂ حیات ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی فعلیت نہیں ہے۔

ارسطو نے مابعد الطبیعات کے علاوہ کتاب السیاست اور کتاب الاخلاق میں بھی اس بات کو واضح کیا ہے کہ خدا کی فعلیت صرف تفکر ہے اُسے اپنی ذات کا علم ہے اور وہ اس علم میں فکر کرتا رہتا ہے۔ خدا کا علم اپنی ذات کے علم میں محصور ہے۔ ارسطو نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ اگر خدا، دنیا کے معاملات میں دلچسپی کا اظہار کرے تو یہ اظہار منافی کمالِ ذاتی ہوگا۔

۸۔ ارسطو کے نزدیک خدا خالق کائنات نہیں ہے۔ مادۂ ازلی ہے اور حرکت بھی ازلی ہے۔ اُس نے نظریۂ تخلیق کے خلاف متعدد دلائل قائم کئے ہیں۔

یہ بات میں نے اس لئے لکھی ہے کہ یہاں میں ناظرین کی اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ارسطو کے فلسفے اور مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات میں بُعد المشرقین ہے۔ اور معتزلہ کے زمانے سے لے کر عصرِ حاضر تک مذہب اور فلسفے میں تطبیق کی جس قدر کوششیں کی گئی ہیں وہ سب لاحاصل ہیں۔

مثلاً انیسویں صدی میں مغربی سائنس اور فلسفے سے مرعوب ہو کر ثنا خوانِ دولتِ برطانیہ اور خیر خواہِ تاجِ انگلینڈ سرسید احمد خاں بہادر کے سی ایس آئی نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی لیکن اپنی انتہائی کوشش کے باوجود، وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے کہ مذہب اور فلسفہ ہم آہنگ ہیں۔ اور عقل و نقل میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ جب تک ایک مسلمان خدا کے خالق ہونے کا انکار نہ کرے وہ فلسفے اور مذہب میں تطبیق کی صورت پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ جسے شک ہو کوشش کر کے دیکھ لے۔ راقم الحروف نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال اسی سعیٔ لاحاصل میں صرف کر دیئے۔

آخر میں اقبال کا ہمنوا ہو کر یہی کہنا پڑا

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومیؒ پردۂ محمل گرفت

۹۔ ارسطو کے فلسفے میں عقول بھی غیر مخلوق ہستیاں ہیں اور ان کی تعداد ارسطو نے ایک جگہ ۴۷ لکھی ہیں، دوسری جگہ ۵۵۔ اسی لیے رسل نے یہ لکھا ہے کہ "ارسطو نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ ان عقول کا خدا سے کیا علاقہ ہے؟ بلکہ ارسطو نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ عقول "غیر متحرک محرک ہستیاں" ہیں یعنی یہ بھی خدا ہیں"۔

(دیکھو تاریخ فلسفۂ مغرب مؤلفہ برٹرینڈ رسل صـ۱۹۱)

۱۰۔ ارسطو کی طبیعات اور دوسری تصانیف کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ اس کو ساری دلچسپی طبیعات کے مسائل سے تھی۔ اس علم میں بنیادی مسئلہ "حرکت" ہے اس کو اس حرکت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک "محرک غیر متحرک" کا اثبات کرنا پڑا۔ اس کے فلسفیانہ نظام میں خدا کی ضرورت صرف اسی حیثیت سے ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ارسطو اپنی کوشش میں (حرکت کی عقلی توجیہہ میں) کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے سکا کہ آرزو یا تمنا کی غیر جسمانی فعلیت، فضا یا مکان میں حرکت کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟ اس نے جو توجیہہ کی ہے وہ برہان عقلی نہیں ہے محض شاعری ہے اور میرا پچاس سالہ تجربہ یہی ہے کہ جب کوئی فلسفی کسی سوال یا عقلی اعتراض کا جواب نہیں دے سکتا تو وہ تشبیہ یا استعارہ، یا تمثیل یا مجاز یا قیاس یا ظن و تخمین کے دامن میں پناہ لے لیتا ہے اور اہل علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں شاعری کا زیور ہیں یعنی اس کے لوازم ہیں۔

ہم ارسطو سے پوچھتے ہیں کہ خدا جو اس کائنات سے قطعاً بے تعلق ہے۔ اسے کس طرح

متحرک کرتا ہے؟ وہ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ "جس طرح معشوق اپنے عاشق کو متحرک کرتا ہے"! ناظرین خود انصاف کریں کہ یہ برہان ہے یا شاعری؟ یہ جواب ہرگز تسلی بخش نہیں ہے۔ اور اگر معترض بھی شاعری کے "موڈ" میں آجائے تو کہہ سکتا ہے کہ اکثر عشاق تو معشوقہ کو دیکھ کر "ساکت" ہو جاتے ہیں، مطلق حرکت نہیں کرتے!! تو ارسطو کیا جواب دے گا؟

شیخ جلوہ دیکھ کر اُس بت کا ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

میری رائے یہ ہے کہ جو شخص روح اور مادے کو ازلی تسلیم کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حرکت کو بھی ازلی تسلیم کرتا ہے اسے خدا کے اقرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے جین دھرم، سانکھ درشن اور میک ٹیگرٹ نے خدا کا انکار کر دیا۔ ارسطو کے نظام فلسفہ میں خدا محض "برائے بیت" ہے۔ اسے نہ اس عالم سے کوئی علاقہ ہے اور نہ کسی انسان سے کوئی تعلق ہے۔ وہ اپنے ہی خیال میں مستغرق ہے۔ کائنات کا انتظام کرنے کے لیے عقول اور افلاک کافی ہیں۔

اسی لئے میں جین دھرم اور سانکھ درشن کو ارسطو کے فلسفے سے زیادہ معقول سمجھتا ہوں کیونکہ ان دونوں کی تعلیم یہ ہے :-

(ا) جیو آتما (روح) اور پدگل (مادّہ) دونوں انادی (ازلی) ہیں، حرکت بھی ازلی ہے۔ اس لئے کسی خالق یا صانع کی ضرورت نہیں ہے۔

(ب) پُرش (روح) اور پرکرتی دونوں انادی ہیں اس لئے کسی ایشور کی ضرورت نہیں ہے۔ عصر حاضر میں میک ٹیگرٹ بھی اسی لئے خدا کا منکر ہے۔

یہ اور بات ہے کہ ان فلسفوں پر متعدد عقلی اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں جن کی تصریح کا یہ موقع نہیں ہے، مگر ان کا یہ کہنا ارسطو کے نظام کے مقابلے میں زیادہ معقول ہے کہ ہم خدا کے بغیر کائنات کی توجیہہ کر سکتے ہیں۔

الغرض ارسطو پر میرا بنیادی اعتراض ہی یہ ہے کہ جب روح اور مادہ اور حرکت تینوں قدیم ہیں تو پھر خدا کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

۱۱۔ ارسطو کا خدا، خدا پرستوں کی مطلق تسلی نہیں کر سکتا۔

ع خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

جب وہ ہماری پکار کا جواب ہی نہیں دے سکتا تو ہمیں اسے خدا تسلیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اگر ہم اس کے وجود کا انکار کر دیں تو ہمیں کیا نقصان ہو گا؟ ہمارا کیا بگڑ جائیگا؟ ہماری زندگی میں کیا کمی

واقع ہو جائے گی؟

دیکھ لو! طامس اکوئناس نے ارسطو کے فلسفے کو، رومن کیتھولک چرچ کی الہیات کی بنیاد بنانے کی غرض سے اس قدر تبدیل کر دیا کہ اگر ارسطو دوبارہ زندہ ہو جائے تو حیران رہ جائے گا! دراصل سب سے پہلے علامہ ابن رشد نے ارسطو کو مذہبی حلقوں میں مقبول بنانے کے لیے اس کے فلسفے کو حسبِ منشا خویش مفہوم عطا کیا۔ طامس نے اپنے حصولِ مقصد کے لیے ابن رشد کی پیروی کی۔

(تفصیل کیلئے دیکھو "تاریخ نیچرل تھیالوجی" مولفہ پروفیسر سی جے ویب صفحات ۲۳۳ تا ۲۹۱)

۱۲۔ ارسطو کا یہ محرکِ اول نہ خالق ہے نہ رازق ہے نہ حاکم ہے نہ مالک ہے نہ مجیب الدعوات ہے نہ غفار الذنوب ہے نہ ہمارا حامی و مددگار نہ کریم کارساز ہے۔ اب رہا محبت کا جذبہ (جو مذہب کی بنیاد ہے) تو خدا اس سے کوسوں دُور ہے۔ کیونکہ اگر بقول ارسطو وہ کسی سے محبت کرنے لگے تو اس کے استغراق میں خلل واقع ہو جائے گا یعنی اس کی خدائی باطل ہو جائے گی۔

ارسطو کے تصورِ واجب لذاتہ پر مزید اعتراضات وارد کئے جا سکتے ہیں مگر میں بخوفِ طوالت قلم روکتا ہوں، لیکن جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے حضرت حکیم صاحبؒ کے اس قول کی صداقت بخوبی آشکار ہو سکتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے اکبر الہ آبادی نے:-

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
رنگ بہایا نہ کوئی دل کو محبت کے سوا

دعوت و تبلیغ دین کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین

اور اس کا طریق کار

سائز ۲۰×۳۰/۸، صفحات ۲۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ، مجلد مع ڈسٹ کور، قیمت ۵/- روپیہ

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ - لاہور

تالیف: ڈاکٹر سٹین وڈ قاب
سابق پروفیسر رابرٹ کالج استنبول، ترکیہ

یونانی سائنسی علوم کا یورپ میں ورود

(ذریعہ متمدّن عرب تھے نہ کہ قسطنطینی مسیحی)

• ترجمہ: پروفیسر اعجاز احمد چودھری، استاد ہاشمی میموریل کالج آف کامرس، لاہور

شہنشاہ قسطنطین نے ۳۳۰ء میں بازنطینی مملکت کے قدیم یونانی شہر کو مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت قرار دے کر اُس کا مسیحی نام قسطنطنیہ رکھ دیا۔ ترکوں کے قبضے تک یہ شہر اسی نام سے منسوب کیا جاتا رہا۔ فوجی نقطۂ نظر سے یہ شہر بہت اہم اور مضبوط تھا۔ اس کی پناہ شہر اور فصیلیں بہت مضبوط تھیں۔ ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے اپنی جنگی ایجادات کی مدد سے ان مضبوط دیواروں کو ہلا دیا۔ ترکوں نے عجیب و غریب توپوں اور گولوں کو اس طرح جدید ترین فوجی تکنیک سے استعمال کیا کہ قسطنطنیہ کے مستحکم حصار مٹا اڑا دیئے گئے۔ اس ترکی فتح کے بعد اکثر ماہرین علوم یونان، اطالیہ کی طرف بھاگ گئے۔ انہی نے اطالیہ کو یونانی علم و ادب اور فلسفیانہ افکار و مسائل سے روشناس کرایا۔ یونانی علم و حکمت کا یہی ترکہ اطالوی نشأۃ ثانیہ کی اگر کامل نہیں تو فوری وجہ ضرور ثابت ہوا۔

لیکن بازنطینی علماء کے خروج قسطنطنیہ اور ان کے ورودِ اطالیہ سے قبل ہی قدیم یونانی علوم عربوں کی وساطت سے یورپ میں پہنچ چکے تھے۔ انتقال و ترسیل علم کا یہ عمل ۱۱۰۰ء سے پہلے ہی شروع ہوا اور بقول قسطنطنیہ تک مکمل ہو گیا۔ "یورپ کے سائنسی شعور کو بیدار کرنے میں سب سے اہم اور غالب اثر عربوں کی تحریک احیائے علوم قدیمہ (THE ARAB REVIVAL OF CLASSIC-LEARNING) ہے۔ لیکن مقام افسوس و حیرت ہے کہ یہ بیّن حقیقت عموماً نظر انداز کر دی جاتی ہے۔"

مسٹر لانس لاٹ ہاگبن (LANCELOT HOGBEN) اپنی کتاب بعنوان "سائنس - ایک

شہری کے لئے مطبوعہ نیویارک میں رقمطراز ہیں کہ "سائنس کی تاریخ سے ناواقف مصنفین کی یہی روش چلی آتی ہے کہ وہ پندرہویں اور سولہویں صدی میں رونما ہونے والی یورپ کی فکری و نظری بیداری کا رشتہ اطالیہ کی جمالیاتی نشأۃِ ثانیہ سے جوڑ دیتے ہیں اس لیے کہ ان کے عقیدے کے مطابق یہ اطالوی نشأۃ ثانیہ بازنطینی اثرات کے تحت ظہور پذیر ہوئی تھی۔

"حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مشرقی رومی قیصریت کے قدیم مثالی نمونوں اور کتب نادرہ کی اطالیہ میں آمد نے سائنس کی ترقی میں کوئی خاص حصّہ نہیں لیا۔ سکندری یا مقدونی سائنس کے ثمر دراصل عربوں نے برداشت کئے۔ بعدہٗ یہی عربی سائنس بتدریج تمام شمالی یورپ میں پھیل گئی تھی۔ یہ سائنسی تعارف دراصل ان یہودی اطباء کا مرہونِ منت تھا جنہوں نے قرونِ وسطیٰ میں طبی مدارس قائم کئے تھے۔ نیز عربوں کا علم بحریات کو سائنسی خطوط پر مدوّن کر دینا بھی جدید یورپی سائنس کی ترقی میں اہم مقام رکھتا ہے۔ ترقیٔ یورپ میں عربی بحریات کا بیش بہا تاریخی حصّہ ہے۔ اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں کے ماند پڑنے سے قبل ہی یہ عمل پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔"

(۲)

ترکوں کی فتح اور قبضے تک قسطنطنیہ یونانی تمدن و ثقافت کا مرکز رہا تھا یعنی کامل گیارہ سو سال یہی شہر مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت رہا لیکن اس طویل عرصہ میں ثقافتِ یونان کا یہ مسیحی مرکز یورپ کو محض حقیر سا سرمایۂ علم و فن منتقل کر سکا۔ ان خفیف اثرات کی توجیہ تاریخ کا موضوع ہے۔ اس صورتِ حال کے پس منظر میں فلسفیہ عروج و زوالِ اقوام کام کر رہا ہے۔ اس کی تشریح و توضیح خالی از دلچسپی نہیں۔

قسطنطنیہ کے یونانیوں نے تاریخ عالم میں پہلی بار فلسفیانہ غور و فکر کی طرح ڈالی۔ تیرہ و تار دنیائے جہالت کے کنارے ایستادہ ہونے کے باوجود اُن کے آباؤ اجداد نے اپنی حالتِ زار پر فلسفیانہ غور و فکر شروع کیا۔ اپنی بے بصری و بے عقلی کے علمی تجزیے کے لئے مختلف راستے ڈھونڈ نکالے۔ اس منطقی و علمی کدو کاوش نے مابعد کے سائنسی غور و فکر کے لیے راہیں ہموار کر دیں۔

اس یونانی علم و حکمت کی شمع نے ایک قلیل سی مدت کے لیے دنیائے قدیم کو اپنی ضوفشانیوں سے منوّر کیا اور پھر بتدریج ماند پڑتے پڑتے گل ہو گئی۔ دینِ مسیحیت اور ملحدانہ تفلسف کی آمیزش سے ایک معجونِ مرکب تیار ہوا جس میں غیر سائنسی رجحانات و نظریات کا عنصر غالب تھا۔ عہدِ قسطنطین سے اس پاپائی مذہب نے نہایت ہوشیاری و حکمت عملی سے یونانی سائنس و حکمت کی جگہ لے لی تھی۔

قسطنطنیہ میں زندگی نے غیر سائنسی نوعیت تبدیل کر کے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے تصنّع اور تکلّف کا روپ دھار لیا تھا۔ مشرق اور مشرق قریب سے اس رومی سلطنت کی تجارت پورے جوبن پر تھی۔ اسی وجہ

سے بلا شرکت غیرے قسطنطنیہ کے یونانی بڑی شاہانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان قسطنطینی یونانیوں کا اپنے ہم مذہب اطالوی اور مغربی یورپی مسیحیوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ اس لاتعلقی اور علیحدگی کی کئی ایک سیاسی اور مذہبی وجوہ تھیں۔

عیسائیوں کی مشرق و مغربی دو عظیم رومی سلطنتیں تھیں جو رومی شہنشاہ ڈائیوکلیشن (DIOCLETION) کے بعد نہ صرف مختلف ریاستیں تسلیم کی جانے لگیں بلکہ ان کا معاملہ باہمی رقابت و مسابقت تک پہنچ گیا تھا۔ ان دونوں مسیحی سلطنتوں نے مصر اور شمالی افریقہ پہ قبضہ کرنے کی ٹھانی۔ ان کی یہ کوششیں شدید ترین باہمی دشمنی پہ منتج ہوئیں۔ صدیوں تک یہ مسیحی سلطنتیں اسی بنا پہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہیں۔

ان دونوں مسیحی سلطنتوں کی سیاسی رقابت کے علاوہ مذہبی منافرت بھی ہولناک صورت اختیار کر چکی تھی انتشار و منافرت کی یہ صورتِ حال اُس وقت نازک ترین دور میں داخل ہوئی جب مشرقی روم کے بادشاہ نے ۳۷۸ء میں عیسائیت کو سرکاری مذہب بنانے کا اعلان کر دیا۔ اور خود بادشاہ مشرقی کلیسا کا مذہبی پیشوا بن بیٹھا۔ شروع میں قسطنطنیہ میں مشرقی کلیسا بہ نسبت مغربی رومی کلیسا کے زیادہ طاقتور تھا۔ کیونکہ رومی کلیسا کے مسیحی پادری اپنی حاکمیت و اقتدار کے لئے سرتوڑ جدوجہد کرتے رہتے تھے جس سے داخلی اتحاد کا حصول مشکل تھا۔ لیکن بعد میں بتدریج مغربی کلیسا کا زور بڑھنے لگا۔ بالآخر مغربی رومی کلیسا نے ساری مسیحی دنیا میں اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا حتیٰ کہ شمالی یورپ کی نیم وحشی اور ناشستہ قوطی قوم کو بھی مسیحی بنا لیا گیا۔ ان قوطیوں کا اولین مذہب رومن کیتھولک یعنی مغربی رومی ثقافت کی وضع قطع کے مطابق تھا۔ نتیجۃً یہ سب کے سب پاپائے روم کی اطاعت و دائرہ اقتدار میں آ گئے۔

اس تسلط و اقتدار کے ساتھ ہی رومی پاپائیت ساری مسیحی دنیا کی ایک عظیم الشان طاقت بن گئی۔ جس کا مرکز تھا۔ اس شاندار کامیابی کے بعد مغربی کلیسا کے کارپردازوں نے مشرقی رومی سلطنت کے سربراہوں کو الحاق و اتحاد کے کئی ایک باہمی معاہدات پہ رضامند کرنے کی کوششیں کیں جو بارآور ثابت نہ ہوئیں بلکہ ان دونوں مسیحی سلطنتوں کی باہمی رقابت و آویزش خطرناک جنگی صورت اختیار کر گئی۔ یہ نازک صورت حال ۱۲۰۴ء میں انتہائی عروج پہ تھی۔ اسی سال چوتھی صلیبی جنگ کے مسیحی نبرد آزماؤں نے اطالیہ کی مشہور بندرگاہ وینس (VENICE) کے بحری جنگی بیڑے کی اعانت سے قسطنطنیہ پہ یورش کر دی اس کے ساتھ ہی نہایت عیاری سے سیاسی سازشوں کا جال بھی بچھایا گیا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی رومی سلطنت کا یہ عظیم الشان پایہ تخت مغربی رومی کلیسا کے قبضہ و اقتدار میں چلا گیا۔ ان صلیبی جنگ آزماؤں کا واضح مقصد صرف یہی تھا کہ مشرقی رومی سلطنت کو مغربی کلیسائیت کے مقتدر پاپائے روم کی اطاعت و فرمانبرداری پہ مجبور کر دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو پاپائے روم کی سند و اعانت بھی حاصل تھی لیکن مغربی

مسیحی سلطنت کے پاپائے اعظم کا یہ خواب اسی فوجی وجنگی فتح کے باوجود شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان صلیبی فاتحین نے قسطنطنیہ پر ۱۲۶۱ء تک حکمرانی بھی کی۔ لیکن ان صلیبی حکمرانوں کی ظالمانہ پامالیاں اور بے رحمانہ سفاکیاں نیز مجرمانہ تاخت وتاراج اپنے ہی ہم مذہب مشرقی مسیحیوں کی ہمدردی و تعاون حاصل نہ کرسکیں۔ ان صلیبیوں نے قسطنطینی یونانیوں کو بھی اسی درجہ ناخوش پایا جس طرح مشرقی مسیحیوں کو۔ بلکہ یونانی تو کھلم کھلا ان غیر مہذب جنگجوؤں کو ناپسند کرتے تھے۔ قسطنطنیہ پر یونا رومی ثقافت کے دائرہ اقتدار کی آخری حدود پر واقع تھا اسی وجہ سے اہالیان قسطنطنیہ رومی کلیسا اور یورپ سے الگ تھلگ رہے اور ان کا رویّہ بھی معاندانہ ہی رہا۔

اہلِ قسطنطنیہ اپنے ماضی سے بے حد عشق کرتے تھے۔ کرۂ ارض پر صرف یہی ایک خطہ رہ گیا تھا جس پر مخصوص یونانی شان وشوکت اور رومی جاہ وجلال کے جلوے ابھی تک قابلِ دید نظارہ پیش کر رہے تھے۔ یورپ تو ابھی قرونِ مظلمہ کی جہالت، افلاس، قتل وغارت کی بے پایاں تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اس وقت قسطنطنیہ ایا صوفیہ میں جلالِ خداوندی کے حضور میں نذرانۂ عقیدت و احترام پیش کرنے میں مصروف تھا۔ ایا صوفیہ کی شاندار عبادت گاہ اسی عہد سے لے کر آج تک مرجعِ خلائق بنی ہوئی ہے۔ قسطنطنیہ بازنطینی طرزِ زندگی کا بہترین و اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا تھا۔ صحت و توانائی کی برقراری کے لیے قسطنطنیہ کے عوام رتھوں کے مقابلے کرواتے۔ رتھیں دوڑتیں اور لوگ محظوظ ہوتے۔ غرضیکہ قسطنطنیہ میں عوام خوشحال و پُرمسرت زندگی گزار رہے تھے۔ اس شہر میں دولت کی فراوانی تھی۔ کیونکہ قسطنطنیہ ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ برّی و بحری تجارت زوروں پر تھی۔ اہلِ قسطنطنیہ نے ساحل کے ساتھ ساتھ مصنوعی بندرگاہیں بھی تعمیر کر رکھی تھیں۔

برعکس اس کے یورپ کا ماضی بالکل تاریک تھا۔ ان کے لیے ماضی پر ناز وفخر کا سوال ہی خارج از بحث تھا۔ مسیحی یورپ نے اپنے آپ کو جبلتی، جذباتی اور وجدانی لحاظ سے روم ویونان سے مکمل طور پر قطع تعلق کر کے ایک الگ نئی حیثیت دے رکھی تھی۔ مسٹر آر۔ ڈبلیو۔ سدرن (R. W. SOUTHREN) اپنی تاریخ "تشکیل قرون وسطیٰ" میں مسیحی یورپ کی اس رائج الوقت ذہنیت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ

"بازنطینیت" کو دیکھ کر ان یورپیوں میں حیرت، استعجاب، شک وحسد، نفرت وحقارت کمینگی و سفلہ پن کے جذبات بھڑک اٹھتے۔ اس لئے ان دونوں کلیسائی ریاستوں نے جبری اتحاد و الحاق کے لئے کوششیں کی گئیں لیکن اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ اس راہ میں بڑی بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں باہم تعصب کے لئے بڑے بڑے جلے۔ کٹے سے کردیئے گئے۔ باہمی مفاہمت اور عزت و احترام کے اعلیٰ اوصاف

و جذبات کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کبھی بھی نہیں کی گئی۔

ان معاندانہ اور مخاصمانہ تعلقات کی یہ مستقل اندوہناک صورتِ حال نظری و خبری نظریات کے تبادلے کے حق میں بمشکل ممد و معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ باہمی منافرت پندرہویں صدی کے وسط تک قائم رہی۔ ان حالات میں ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ یونانی علم و حکمت کا عظیم الشان ذخیرہ کا ملاً قسطنطنیہ کی معرفت ہی یورپ میں پہنچا تھا۔ اگر یورپ کو اس راستے سے بھی علم منتقل ہوا تو اس کی مقدار نہایت ہی خفیف ہو گی۔

(۳)

قدیم یونانی علوم کا یورپ میں ورود ایک دوسری ہی عظیم و وسیع اور کشادہ شاہراہ سے وقوع پذیر ہوا۔ جن ممالک میں یہ علوم سفرِ انتقال و ترسیل کی منزلیں طے کرتے رہے ان میں ایسے نامساعد حالات تھے جن کا مشرقی و مغربی بازنطینی سلطنتوں یا قرونِ مظلمہ کے یورپ میں دور دورہ تھا اور نہ ہی ان میں روم و قسطنطنیہ جیسی باہمی آویزش و رقابت تھی۔ ان میں تنگ نظری و تعصب کی فضا کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہ علوم و فنون سائنسیہ جن جن ممالک سے ہو کر یورپ میں پہنچے ان کا ماحول بڑا پُرامن اور خوشگوار تھا۔ وہاں مسیحی اور مسلمان صدیوں سے باہمی دوستی و محبت، خیر سگالی و مروت، فلاح و بہبود اور معاونت کے نیک جذبات سے لبریز پُرامن زندگی گزار رہے تھے۔ یہی وہ خطۂ ہائے ارض تھے جن سے یہ علوم سائنسیہ نکل کر یورپ کی طرف منتقل ہوئے۔ اسلامی سرزمین سے ہی یہ عمل انتقال و ترسیل علم و سائنس وقع ہوا۔

عربوں نے صدیوں کی عرق ریزیوں کے بعد یونانی کتب کے عربی تراجم و حواشی تیار کئے تھے۔ ان عربی علوم سائنسیہ نے مغربی دنیا میں خاصی علمی دلچسپی پیدا کر دی۔ انہی یونانی عربی (GRACO-ARABIC) مخطوطوں اور مسودوں تک لاطینی علماء و فضلاء کو دسترس حاصل رہی۔ اس طرح جو علم عربی سے لاطینی میں بہنے لگی جس کا رُخ خوش قسمتی سے یورپ کی طرف تھا۔ بالآخر یہی عربی سائنسی علوم یورپ میں پہنچ گئے۔

قبل الذکر امریکی پروفیسر مسٹر آر۔ ڈبلیو سدرن (R.W. SOUTHERN) اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "گیارہویں صدی عیسوی میں عربی نظریاتِ علمیہ کا یہ سست رفتار بہاؤ یک طرفہ ٹریفک کے مترادف تھا۔ لیکن بارہویں صدی عیسوی میں عربی سائنس نہایت برق رفتاری سے پھیلنے لگی۔ عربی علوم کی اس ترویج و اشاعت نے لاطینی مغرب کی علمی دنیا بساط ہی الٹ دی، اس میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ جب اندلس، صقلیہ اور جنوبی اطالیہ جیسے ممالک کے اسلامی اقتدار میں زوال پذیری اور رجعت پسندی ظاہر ہو رہی تھی تو یہیں مسلمانوں نے عربی و یونانی سائنس کے زبردست ماہرین چھوڑے جو مسیحی اور غیر مسیحی دنیاؤں

میں درمیانی واسطہ و رابطہ ثابت ہو سکتے تھے۔ اس کے علی الرغم تاریخ کے اسی موڑ پر لاطینی عالم بھی لاطینی عربی (LATIN - ARABIC) ماہرین کی خالی شدہ اسامیوں اور جدید مواقع سے پورا پورا استفادہ کرنے کے لئے بیتاب تھے۔ سارے انگلستان، فرانس اور برطانیہ سے علماء و فضلاء اکتساب علم و فن کے لیے اندلس، صقلیہ اور اطالیہ کے اسلامی مراکز میں پھیل گئے۔ جہاں وہ علم اور سائنس کے سچے موتیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی اور ان کے علمی معاونین کی کوششوں اور کاوشوں سے ایک ایسی جدید سائنسی لائبریری تعمیر کی گئی جس کی وسعت ساری یورپی دنیا میں فقید المثال تھی۔"

گیارہویں صدی عیسوی میں عربی سائنسی علوم کے لاطینی تراجم کا سلسلہ قسطنطین افریقی سے شروع ہوتا ہے یاد رہے کہ قسطنطین افریقی دراصل ایک مسیحی راہب تھا جس نے اسی صدی کے وسط میں اسلامی صقلیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ قدیم اناطولیہ کے ایک قریبی شہر مانٹے کارلو (MONTE CARLO) صومعۂ بینی ڈکٹائن (BENEDICTINE) کے سلسلۂ رہبانیت کا ایک رکن تھا۔ اس نے بہت سی عربی سائنسی کتب کا لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔ لیکن اس کے اکثر لاطینی تراجم عربی میڈیکل سائنس سے متعلق تھے۔

کریمونوی جیرارڈ (GERARD of CREMONA) دوسرا لاطنعربی (LATIN — ARABIC - لاطینی - عربی) مترجم تھا۔ طلیطلہ کی اسلامی یونیورسٹی میں ۱۱۵۰ء سے ۱۱۸۷ء تک یہ مسیحی مصنف مصروفِ کار رہا۔ عربی مسودوں اور سائنسی علوم کی کتب لاطینی کے قالب میں ڈھالنے والی یہ یگانۂ روزگار شخصیت تھی جس نے سارے یورپ کے اہلِ علم کی توجہ یوناعربی (GRACO— ARABIC) سائنس کی طرف منعطف کرائی۔

—— (۴) ——

وہ عربی کتب جن کے تراجم کو یورپ میں بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ ان میں جالینوس کی طبی تصنیفات تھیں۔ اس کے ساتھ ہی عربی سائنس دانوں کی دائرۃ المعارفی (انسائیکلوپیڈیائی) نوعیت کی عربی الاصل طبی کتب کے تراجم بھی ہوئے بلکہ صدیوں تک اصل عربی کتابیں سارے یورپ کے طبی مدارس کے نصاب میں شامل تھیں۔ ارسطو کی تصنیف جس میں طبعیاتی، فلکیاتی اور نباتاتی معلومات تھیں، عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی۔ ان جملہ کتب اور عربی تراجم نے عہدِ وسطیٰ کے یورپ کی مذہبی، علمی اور سائنسی طرزِ فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ یونانی کتب کے علاوہ بہت سے عرب سائنس دانوں کی کتب کے تراجم بھی کئے گئے جن میں امام بوعلی سینا، ابن رشد اور رازی جیسے عظیم اسلامی فیلسوف، محققین اور

اور سائنس دان خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

یہ تاریخی حقیقت قابل توجہ ہے کہ ان عربی کتب کے لاطینی تراجم کا یہ اہم بنیادی سلسلہ تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز تک مکمل ہو چکا تھا۔ اور انہی عربی سائنسی کتب کے لاطینی تراجم کی بدولت سارے یورپ میں ایک عظیم الشان عہد جدید (NEW AGE) کا باضابطہ افتتاح ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیرھویں صدی عیسوی کے اس تاریخی دور میں ہی یورپ کی پہلی یونیورسٹی کی داغ بیل رکھی گئی۔ اور پھر ان کے رواج کو بڑا عروج نصیب ہوا۔

پس جاں بلب یونانی ثقافت کی چند ایک ٹمٹماتی ہوئی علمی مشعلوں اور عربوں کی سائنسی ایجادات و اختراعات اور ترقیوں کے حسین امتزاج سے ایک ایسا عظیم الشان علمی و فنی سرمایہ تیار ہو گیا جس سے نوزائیدہ یورپی یونیورسٹیوں نے نہایت فیاضی سے استفادہ کیا۔ شمالی اطالیہ کی میلان (MILAN) اور پیڈوآ (PADUA)، فرانس کی پیرس (PARIS)، چیکوسلاویہ کی پراگ (PRAGUE)، اور انگلستان کی آکسفورڈ (OXFORD) سب کی سب یونیورسٹیوں میں مقامی اور علمی زبان لاطینی تھی۔ یہی یورپی یونیورسٹیاں بعد میں ان لاطنعربی (لاطینی و عربی / تراجم میں مدوّن شدہ عربی سائنس کی وارث بنیں۔

اس طرح چودھویں صدی کے اوائل میں کلاسیکی دنیا کی سائنس اور حکمت یورپ کے قبضۂ قدرت اور دائرۂ اختیار میں چلی گئی۔ کلاسیکی سائنس کے اس ترکے کو جدیدیت کا رنگ دینے میں عربوں کا معتدبہ حصہ ہے۔ عربوں نے اس کی پوری ہیئت ہی تبدیل کر کے اسے یورپ کے سپرد کر دیا۔ اس طرح عربی سائنس کی بیش بہا دولت یورپی ممالک میں بہنے لگی۔ یورپ اور اس کے بے علم اور بے نور ماضی کے درمیان جو خلیج حائل تھی۔ اس کا خاتمہ ہو گیا جس کا شاندار نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کی دنیا علم و سائنس کی روشنی سے منوّر ہو گئی۔

کراچی میں

دارالاشاعت الاسلامیہ اور ماہنامہ میثاق لاہور کے سول ایجنٹ

میسرز شفیق پریس

کچہری روڈ، کراچی :۔ فون: ۲۳۵۲۳۵

ہورہا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اکبر! بھائی، بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ زبان کی بنیاد پر، نسل کی بنیاد پر، کلچر کی بنیاد پر، علاقہ کی بنیاد پر جو امتِ محمدؐ، کلمہ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ پر جمع کی گئی تھی جس کا کلمہ ایک، کتاب ایک، رسول ایک، قبلہ ایک، آج وہ کس طرح شیطان کے نرغہ میں پھنسی ہوئی ہے ـــ بھائیو! میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بڑا نازک وقت ہے، یہ اصلاحِ حال کا وقت ہے، یہ جوڑنے اور ملانے کا وقت ہے۔ یہ نفرت دلانے اور ایک دوسرے پر الزام لگانے کا وقت نہیں۔ اس سے آخر قوم کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ ہم کسی ایک طبقہ یا گروہ کو ملزم قرار دیں اور ان کو مجرم ثابت کریں کہ ساری خرابیوں کا باعث تم ہو اور وہ ہم پر الزام لگائیں اور ہمیں مجرم ثابت کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم سب کے سب مجرم ہیں، پوری کی پوری قوم مجرم ہے، ہم سب اللہ کے نافرمان ہیں پس ہم سب کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیئے۔ اس کی جناب میں ہم سب کو توبہ اور استغفار کرنا چاہیئے۔ ہم سب کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے اگر ایسا نہ کیا گیا اور جس کے دور دور بھی آثار نہیں ہیں تو جان لینا چاہیئے کہ حقیقت یہ ہے کہ قوم کی کشتی بالکل بھنور میں ہے، گرداب میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ڈوبی، تب ڈوبی معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کو بھی یہ حقیقت نظر آتی ہے یا نہیں مجھے تو رات کے اندھیارے اور دن کے اجالے میں بصارت سے بھی اور بصیرت سے بھی یہی حقیقت نظر آتی ہے ـــ عزیزو! آج وقت ہے کہ یوحنا و یحییٰ کی طرح سے آپ کے اندر سے وہ لوگ اٹھیں جو پوری قوم میں توبہ کی منادی کریں، استغفار کی منادی کریں۔ اللہ سے اپنے تعلق کو استوار کرنے کی منادی کریں، نبی سے اپنی نسبت کے حقیقی تعلق جوڑنے کی منادی کریں۔ خلافِ دین، خلافِ اسلام کاموں سے اجتناب کی منادی کریں، سرکشی و نافرمانی سے بچنے کی منادی کریں، حلال و حرام کی تمیز کی منادی کریں، اس وقت ان کاموں کے سوا دوسرے کام بالکل فضول ہیں۔ شاطر اسی طرح لڑتے رہیں گے اور یاد رہے ایک بڑا عذاب مختلف شکلوں میں آتا رہیگا۔ ایسے بگڑے ہوئے معاشرہ میں جو شخص و افراد مسلط ہونگے وہ بھی اللہ کے قہر کی نشانیاں ہونگے۔ کسی کے اندر خیر نہیں ہے۔ ایک پارٹی اگر جائیگی تو جس طریقہ سے شر و فساد کے ساتھ آئی ہے۔ کوئی دوسری پارٹی بھی آئی اسی طرح کے شر و فساد کے ساتھ ملک پر مسلط ہو جائے لیکن اس وقت مخلص ہاتھوں کے بغیر بھلائی نہیں ہے۔ ملک کیلئے کوئی خیر نہیں ہے۔ ملک کی بھلائی اگر ہوگی تو ان ہی بے غرض لوگوں کے ہاتھوں ہوگی جو آج یوحنا و مسیح کی طرح توبہ کی منادی کیلئے اٹھ کھڑے ہوں، جو صاف صاف، بالکل حق، واضح طور پر بڑوں کے سامنے، چھوٹوں کے سامنے، پوری قوم کے سامنے وہی بات پیش کریں جو حق ہے۔ جو دین کا تقاضہ ہے، جو ایمان کا تقاضہ ہے۔ لیکن جان رکھو کہ یہ راستہ آسان نہیں ہے، بہت کٹھن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس راہ میں تمہارے سر کاٹ کر ظالم لوگ اپنی معشوقاؤں کے سامنے تحفہ کے طور پر پیش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس راہ میں تمہیں سولی پر چڑھنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے وطنوں سے نکال دیئے جاؤ۔ معلوم نہیں کہ اس راہ میں کیا کیا پیش آئے گا۔ بدر و احد۔ خندق وحنین، اس راہ کی لازمی منازل ہیں۔ مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن جو کچھ ہوگا اسی کے اندر تمہارے لیے خیر اور اسی کے اندر فوز و فلاح ہے۔ اس بات پر یقین رکھو۔ قرآن کی دعوت اور توبہ کی منادی کا کام لے کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ شاید اللہ تعالیٰ تمہاری اس سرفروشانہ ادا کو پسند فرمالے اور تمہاری قوم کو بچالے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ قوم کی کشتی بھنور میں ہے۔

آخر میں، میں اپنے لیے اور آپ کے لیے، دونوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو حق کی معرفت عطا فرمائے اور حق پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین! وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

شهر رمضان الذی انزل فیه القران
هدی للناس و بینات من الهدیٰ و الفرقان ج

تحفہ رمضان مبارک و ہدیہ عید سعید

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

جو کچھ عرصہ سے نایاب تھی، اب

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

کے زیر اہتمام مفید اضافوں کے ساتھ عمدہ سفید کاغذ پر چھپ گئی ہے۔

خود پڑھئیے اور دوستوں و عزیزوں کو تحفۃ پیش کیجئے۔

سائز ۸/۲۲×۱۸، صفحات ۸۰، طباعت آفسٹ، سفید کاغذ اور خوشنما کور

ہدیہ صرف ایک روپیہ

منگوانے کا پتہ

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ ۔ لاہور ۔ ۱ (فون ۶۹۶۲۲)

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 19 | NOVEMBER 1972 | No, 11

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورۃ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

"..... محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ....."

مولانا امین احسن اصلاحی

"..... اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری..... اسلامی موضاعات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتابچہ ایک دستورالعمل کا درجہ رکھتا ہے....."

ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ: ڈیڑھ روپیہ، قسم ادنیٰ: ایک روپیہ، محصولڈاک اس کے علاوہ

★

:- شائع کردہ :-

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون: ۶۹۵۲۲)

پبلشر: محی الدین۔ طابع: شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس، ایبک روڈ۔ لاہور

مقام اشاعت: کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱